آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے * لو تمہین طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۳ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چندہ سالانہ اردو پرچہ عہ / انگریزی پرچہ للعہ

"حضرت اقدسؑ کے مبارک ارشاد پر فدا ہونے والی پُرجوش روحوں کی احتیاج"

ایک سال کے قریب عرصہ گذرتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کی اشد ضرورت کو محسوس کر کے جملہ احباب و مخلصین کی توجہ کو اس رسالہ میگزین کی اعانت و امداد کی طرف مبذول کر کے پُرزور تاکیدی الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا کہ اس کی تعداد اشاعت کسی صورت مین دس ہزار سے کم نہین ہونی چاہیئے چنانچہ اس تاکیدی ارشاد مین حضرت اقدس علیہ السلام کا ایما تھا اور سخت تاکیدی حکم تھا کہ۔

"اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قایم رہکر اس بارہ مین کوشش کرین تو دس ہزار خریدار کا پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہین ہے بلکہ جماعت موجودہ کے لحاظ سے یہ تعداد خریداری بہت کم ہے"

اور ساتھ ہی فرمایا اور حد سے بڑھکر تاکیدی الفاظ مین فرمایا کہ۔

"مین پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردون کو اس طرف توجہ دلاتا ہون کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد مین جہانتک اُن سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاوین اور اس خدمت مین جان توڑ کوشش کرین"

حضرت اقدسؑ کے اِس حد سے بڑھے ہوئے تاکیدی حکم کی تعمیل مین ابتدائی تازہ جوش مین اکثر مقامات کے باہمت احباب و مخلصین نے پوری جوانمردی و اخلاص مندی کا بین نمونہ دکھلایا اور اس سعی کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ قلیل عرصہ مین تعداد خریداری اڑھائی ہزار تک پہنچ گئی ہے لیکن خاص مقامات سے خاص وقت کے لئے ان جوش ہائے اعانت کا اُبھر کر جھٹ دھیما پڑ جانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کو مختص المقام یا مختص الزمان قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم جملہ افراد جماعت احمدیہ کے لئے ہمیشہ کے لئے واجب العمل تھا۔ اور کم از کم جبتک تعداد خریداری دس ہزار تک نہ پہنچ جاتی۔ اپنے باہمت احباب کو اس کی اعانت مین کوئی پہلو کوشش کا فروگذاشت نہین کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ قدم ہمت آگے ہی بڑھانا مناسب و شایان تھا۔ جو اُن کے لئے موجب تحصیل حسنات دارین ہوتا۔

چونکہ حضرت اقدس کی فرمائی ہوئی تعداد تک رسالہ کے پہونچنے مین ابھی بہت کمی ہے اسواسطے جملہ برادران و احباب کی خاص توجہ و ہمت درکار ہے۔ علاوہ مالی اعانت کے اپنی بھاری جماعت احمدیہ مین سے پانچ فیصدی بھی ایسے باہمت مخلص احباب نکل آوین جو کم از کم فی کس ایک ایک رسالہ کے خریدار بنین تو تعداد خریداری کہین دس ہزار سے بھی بڑھ جاتی ہے امید ہے کہ اب جملہ برادران حضرت اقدسؑ کے اس تاکیدی ارشاد کو ہمیشہ تازہ ارشاد سمجھ کر رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کے لئے اپنے من تن دھن غرضکہ کسی قسم کی امداد سے دریغ نہ کرینگے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالے تمام سعادتمند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اسلام*

دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کیجاے تو معلوم ہوگا۔ کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتدا سے جھوٹے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے اُن مذاہب کی تائید چھوڑ دی۔ اور وہ ایسے باغ کی طرح ہوگئے۔ جس کا کوئی باغبان نہیں۔ اور جس کی آبپاشی اور صفائی کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اُن میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ تمام پھلدار درخت خشک ہو گئے۔ اور اُن کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں۔ اور روحانیت جو مذہب کی جڑھ ہوتی ہے وہ بالکل جاتی رہی۔ اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے۔ اس لئے اُس نے ہر ایک صدی پر اس باغ کی نئے سرے آبپاشی کی۔ اور اُس کو خشک ہونے سے بچایا۔ اگرچہ ہر صدی کے سر پر جب کبھی کوئی بندہ خدا اصلاح کے لئے قائم ہوا جاہل لوگ اُس کا مقابلہ کرتے رہے اور اُن کو سخت ناگوار گذرا۔ کہ کسی ایسی غلطی کی اصلاح ہو جو اُن کی رسم اور عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی سُنّت کو نہ چھوڑا۔ یہانتک کہ اس آخری زمانہ میں جو ہدایت اور ضلالت کا آخری جنگ ہے

*۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لکچر جو ۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو بمقام سیالکوٹ پڑھا گیا۔

خدا نے چودھویں صدی اور الف آخر کے سر پر مسلمانوں کو غفلت میں پاکر پھر اپنے عہد کو یاد کیا۔ اور دین اسلام کی تجدید فرمائی مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تجدید کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ سب مذہب مر گئے۔ ان میں روحانیت باقی نہ رہی۔ اور بہت سی غلطیاں اُن میں ایسی جم گئیں کہ جیسے بہت مستعمل کپڑہ پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے۔ اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا۔ اور جن کے نفس امارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ان مذاہب کے اندر بیجا دخل دے کر ایسی صورت اُن کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اور ہی چیز ہیں مثلاً عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتدا میں کیسے پاک اُصول پر مبنی تھا۔ اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اگرچہ وہ تعلیم قرآنی تعلیم کے مقابل پر ناقص تھی۔ کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا۔ اور کمزور استعدادیں اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عمدہ تعلیم تھی۔ وہ اُسی خدا کی طرف رہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے رہنمائی کی لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کا خدا ایک اور خدا ہو گیا۔ جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں۔ اور نہ بنی اسرائیل کو اُس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا اُلٹ گیا۔ اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے جو ہدائتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہو گئیں۔ اور تمام مدار گناہ سے پاک ہونے کا اس اقرار پر آ گیا کہ حضرت مسیح نے دنیا کو نجات دینے کے لئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے۔ اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقعہ ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کر سکیں۔ نہایت حیرت کا مقام ہے۔ کہ جن لوگوں کو توریت کی پابندی کی سخت تاکید تھی۔ اُنہوں نے یک لخت توریت کے احکام کو چھوڑ دیا مثلاً انجیل میں کہیں حکم نہیں۔ کہ توریت میں تو سور حرام ہے اور میں تم پر حلال کرتا ہوں۔ اور توریت میں تو ختنہ کی تاکید ہے اور میں ختنہ کا حکم منسوخ کرتا ہوں پھر کب جائز تھا

کہ جو باتیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مُنہ سے نہیں نکلیں۔ وہ مذہب کے اندر داخل کردی جائیں۔ لیکن چونکہ ضرور تھا۔ کہ خدا ایک عالمگیر مذہب یعنی اسلام دنیا میں قائم کرے اس لئے عیسائیت کا بگڑنا اسلام کے ظہور کے لئے بطور ایک علامت کے تھا۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ اسلام کے ظہور کے پہلے ہندو مذہب بھی بگڑ چکا تھا۔ اور تمام ہندوستان میں عام طور پر بُت پرستی رائج ہو چکی تھی اور اسی بگاڑ نے یہ آثار باقیہ ہیں۔ کہ وہ خدا جو اپنی صفات کے استعمال میں کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ اب آریہ صاحبوں کی نظر میں وہ پیدائش مخلوقات میں ضرور مادہ کا محتاج ہے۔ اس فاسد عقیدہ سے ان کو ایک دوسرا فاسد عقیدہ بھی جو شرک سے بھرا ہوا ہے قبول کرنا پڑا۔ یعنی یہ کہ تمام ذرات عالم اور تمام ارواح قدیم اور انادی ہیں مگر افسوس کہ اگر وہ ایک نظر غائر خدا کی صفات پر ڈالتے تو ایسا کبھی نہ کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر خدا پیدا کرنے کی صفت میں جو اُس کی ذات میں قدیم سے ہے انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج؂ نہیں۔ انسان بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتا۔ اور بغیر توسط روشنی کے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ پس کیا پرمیشر بھی ایسی کمزوری اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ بھی سُننے اور دیکھنے کیلئے ہوا اور روشنی کا محتاج ہے۔ پس اگر وہ ہوا اور روشنی کا محتاج نہیں تو یقیناً سمجھو کہ وہ صفت پیدا کرنے میں بھی کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ یہ منطق سراسر جھوٹ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار میں کسی مادہ کا محتاج ہے۔ انسانی صفات کا خدا پر قیاس کرنا۔ کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ اور انسانی کمزوریوں کو خدا پر جمانا بڑی غلطی ہے۔ انسان کی ہستی محدود اور خدا کی ہستی غیر محدود ہے پس وہ اپنی ہستی کی قوت سے ایک اور ہستی پیدا کر لیتا ہے یہی تو خدائی ہے۔ اور وہ اپنی کسی صفت میں مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ ورنہ وہ خدا نہ ہو۔ کیا اُسکے کاموں کوئی روک ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ مثلاً چاہے کہ ایک دم میں زمین و آسمان پیدا کر دے۔ تو کیا وہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں جو لوگ علم کے ساتھ روحانیت کا بھی حصہ رکھتے تھے اور نری خشک منطق میں گرفتار نہ تھے۔ کبھی اُن کا یہ عقیدہ نہیں ہوا جو آجکل پرمیشر کی نسبت آریہ صاحبان نے پیش کیا ہے۔ یہ سراسر عدم روحانیت کا نتیجہ ہے ؎

غرض یہ تمام بگاڑ اُن مذاہب میں پیدا ہو گئے۔ جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل

؂ ہے تو کیا وجہ کہ وہ اپنی صفت شنوائی اور بینائی وغیرہ میں انسان کی طرح محتاج

نہیں۔ اور جو انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہیں۔ یہ تمام علامتیں ضرورت اسلام کے لئے تھیں۔ ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ اور روحانیت کو کھو چکے تھے۔ اور بالکل مُردہ ہو چکے تھے۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مُجدد اعظم تھے۔ جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دُنیا میں لائے۔ اس فخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں۔ کہ آپ نے تمام دُنیا کو ایک تاریکی میں پایا۔ اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلےٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے۔ اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی۔ یہ کامیابی اور اسقدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی۔ یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہؤا تھا۔ اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا۔ اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دُنیا سے انتقال فرمایا۔ جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے۔ اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی۔ کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہایم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہایم کو انسان بنایا۔ اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت اُنمیں پھونکدی۔ اور سچے خدا کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا کر دیا۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کیطرح ذبح کئے گئے۔ اور چیونٹیوں کیطرح پیروں میں کچلے گئے۔ مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے۔ بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جنکے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے۔ اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔ اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی

بے بار و بر نہ رہی۔ اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کی تاخر کی وجہ سے ہُوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوّت آپ پر ختم ہو گئے۔ اور چونکہ آپ صفات الٰہیہ کے مظہر اتم تھے اسلئے آپ کی شریعت صفات جلالیہ و جمالیہ دونوں کی حامل تھی۔ اور آپ کے دو نام محمدؐ اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں۔ اور آپ کی نبوّت عامہ میں کوئی حصہ بُخل کا نہیں۔ بلکہ وہ ابتدا سے تمام دُنیا کے لئے ہے +

اور ایک دَوْر دلیل آپ کے ثبوت نبوت پر یہ ہے۔ کہ تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لیکر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے۔ اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دَوْر مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَوْر جس میں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ دَوْر ہے جس میں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا خدا تعالےٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دَوْر ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ اول دَوْر ہدایت کے غلبہ کا تھا۔ اس میں بُت پرستی کا نام و نشان نہ تھا۔ جب یہ ہزار سال ختم ہوا تب دوسرے دَوْر میں جو ہزار سال کا تھا طرح طرح کی بُت پرستیاں دنیا میں شروع ہوگئیں۔ اور شرک کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ہر ایک مُلک میں بُت پرستی نے جگہ لے لی۔ پھر تیسرا دَوْر جو ہزار سال کا تھا۔ اسمیں توحید کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور جسقدر خدا نے چاہا دُنیا میں توحید پھیل گئی۔ پھر ہزار چہارم کے دَوْر میں ضلالت نمودار ہوئی۔ اور اسی ہزار چہارم میں سخت درجہ پر بنی اسرائیل بگڑ گئے۔ اس کے بعد عیسائی مذہب تخم ریزی کے ساتھ ہی خشک ہو گیا۔ اور اُسکا پیدا ہونا اور مرنا گویا ایک ہی وقت میں ہُوا۔ پھر ہزار پنجم کا دَوْر آیا جو ہدایت کا دَوْر تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جسمیں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپؐ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اُس ہزار کے اندر ہوا جو روز ازل سے ہدایت کیلئے مقرر تھا۔ اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے۔ اور اسی دلیل سے میرا دعوےٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے۔ اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے اس

ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے۔ اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اسلئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اُسکے سر پر پیدا ہو اور اُسکے بعد کوئی امام نہیں۔ اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اُسکے لئے بطور ظل کے ہو کیونکہ اس ہزار میں اب دُنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے۔ اور یہ امام جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدد صدی بھی ہے اور مجدد الف آخر بھی۔

اس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے۔ اور خدا نے جو سورہ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم مجھ پر ظاہر کی ہے اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اول تھا اور آدم چھٹے دن جمعہ کی اخیر ساعت میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ خدا کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے اس مشابہت سے خدا نے مسیح موعود کو ششم ہزار کے اخیر میں پیدا کیا۔ گویا وہ بھی دن کی آخری گھڑی ہے۔ اور چونکہ اول اور آخر میں ایک نسبت ہوتی ہے۔ اسلئے مسیح موعود کو خدا نے آدم کے رنگ میں پیدا کیا۔ آدم جوڑا پیدا ہوا تھا اور بروز جمعہ پیدا ہوا تھا۔ اسیطرح یہ عاجز بھی جو مسیح موعود ہے جوڑا پیدا ہوا اور بروز جمعہ پیدا ہوا اور اس طرح پیدائش تھی کہ پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر اُس کے عقب میں یہ عاجز پیدا ہوا۔ اس طرح کی پیدائش ختم ولایت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ غرض یہ تمام نبیوں کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ کہ مسیح موعود ہزار ہفتم کے سر پر آئیگا اسی وجہ سے گذشتہ سالوں میں عیسائی صاحبوں میں بہت شور اُٹھا تھا اور امریکہ میں اس مضمون پر کئی رسالے شائع ہوئے تھے۔ کہ مسیح موعود نے اسی زمانہ میں ظاہر ہونا تھا۔ کیا وجہ کہ وہ ظاہر نہ ہوا۔ بعض نے ماتمی رنگ میں یہ جواب دیا تھا۔ کہ اب وقت گذر گیا کلیسیا کو ہی اُس کے قائم مقام سمجھ لو۔

القصہ میری سچائی پر یہ ایک دلیل ہے۔ کہ میں نبیوں کے مقرر کردہ ہزار میں ظاہر ہوا ہوں۔ اور اگر اور کوئی بھی دلیل نہ ہوتی تو یہی ایک دلیل روشن تھی جو طالب حق کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ اگر اس کو رد کر دیا جائے تو خدا تعالےٰ کی تمام کتابیں باطل ہوتی ہیں۔ جن کو الٰہی کتابوں کا علم ہے۔ اور جو انمیں غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک ایسی دلیل ہے۔ جیسا کہ ایک روز روشن۔ اس دلیل کے رد کرنے سے تمام نبوتیں رد ہوتی ہیں۔ اور تمام حساب درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور الٰہی تقسیم کا شیرازہ بگڑ جاتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے جو بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں پھر آدم سے

اخیر تک سات ہزار سال کیونکر گذر سکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالےٰ کی کتابوں میں صحیح طور پر فکر نہیں کیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج یہ حساب نظر نہیں کیا۔ یہ تو قدیم سے محققین اہل کتاب میں مسلم چلا آیا ہے۔ یہانتک کہ یہودی فاضل بھی اُسکے قائل رہے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی کتابیں بھی باتفاق یہی کہتی ہیں۔ اور آیت اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ سے بھی یہی نکلتا ہے۔ اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں۔ اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورہ والعصر کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اس حساب سے یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔ جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے اور نہ کوئی وجہ دیکھتے ہیں۔ کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفق علیہ کلمہ سے انکار کریں۔ پھر جبکہ اس قدر ثبوت موجود ہے۔ اور بلاشبہ احادیث اور قرآن شریف کے رو سے یہ آخری زمانہ ہے۔ پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک رہا اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صحیح میں لکھے گئے ہیں۔ وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہونگی۔ کتابیں بہت شائع ہونگی جنمیں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور اونٹ بیکار ہو جائینگے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی بجائے ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخری زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں۔ اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ خدا قادر ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد چند صدیاں اور بھی زیادہ کر دے۔ کیونکہ کسر شمار میں نہیں آتی۔ جیسا کہ حمل کے دن بعض وقت کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دیکھو! اکثر بچے جو دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر نو مہینے اور

دس دن کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں جب کہ درد زہ شروع ہوگا۔ اسی طرح دنیا کے خاتمے پر گو اب ہزار سال باقی ہے لیکن اُس گھڑی کی خبر نہیں جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ جن دلائل کو خدا نے امامت اور نبوت کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اُن کو ضائع کرنا گویا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے +

ظاہر ہے کہ قرب قیامت پر تمام علامتیں بھی جمع ہو گئی ہیں۔ اور زمانہ میں ایک انقلاب عظیم مشہود ہو رہا ہے۔ اور وہ علامتیں جو قرب قیامت کے لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمائی ہیں اکثر اُن میں سے ظاہر ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت کے زمانہ میں زمین پر اکثر نہریں جاری ہو جائینگی۔ اور بکثرت کتابیں شائع ہونگی۔ پہاڑ اُڑا دیئے جائینگے۔ دریا خشک کر دیئے جائینگے۔ اور زراعت کے لئے زمین بہت آباد ہو جائیگی۔ اور ملاقاتوں کے لئے راہیں کھل جائینگی۔ اور قوموں میں مذہبی شور و غوغا بہت پیدا ہوگا۔ اور ایک قوم دوسری قوم کے مذہب پر ایک موج کی طرح ٹوٹ پڑیگی۔ تا اُن کو بالکل نیست و نابود کر دے۔ اُنہیں دنوں میں آسمانی کرنا اپنا کام دکھلائے گی۔ اور تمام قومیں ایک ہی مذہب پر جمع کی جائینگی۔ بجز اُن ردی طبیعتوں کے جو آسمانی دعوت کے لائق نہیں۔ یہ خبر جو قرآن شریف میں لکھی ہے مسیح موعود کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی وجہ سے یاجوج ماجوج کے تذکرہ کے نیچے اُس کو لکھا ہے۔ اور یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں جن کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وہ اجیج سے یعنے آگ سے بہت کام لینگی۔ اور زمین پر اُن کا بہت غلبہ ہو جائیگا۔ اور ہر ایک بلندی کی مالک ہو جائیں گی۔ تب اُسی زمانہ میں آسمان سے ایک بڑی تبدیلی کا انتظام ہوگا۔ اور صلح اور آشتی کے دن ظاہر ہونگے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اُن دنوں میں زمین سے بہت سی کانیں اور مخفی چیزیں نکلینگی۔ اور اُن دنوں میں آسمان پر کسوف و خسوف ہوگا۔ اور زمین پر طاعون بہت پھیل جائیگی اور اونٹ بیکار ہو جائینگے یعنے ایک اور سواری نکلیگی۔ جو اونٹوں کو بیکار کر دیگی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تمام کاروبار تجارتی جو کہ پہلے اونٹوں کے ذریعہ سے چلتے تھے۔ اب ریل کے ذریعہ سے چلتے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ حج کرنے والے بھی ریل کی سواری میں مدینہ منورہ

کی طرف سفر کرینگے۔ اور اُس روز اس حدیث کو پورا کردینگے جس میں لکھا ہے کہ لیترکن القلاص فلا یُسعیٰ علیھا۔ پس جبکہ آخری دنوں کے لئے یہ علامتیں ہیں جو پورے طور پر ظاہر ہو چکی ہیں۔ تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دُنیا کے دَوروں میں سے یہ آخری دَوْر ہے۔ اور جیساکہ خدا نے سات دن پیدا کئے ہیں۔ اور ہر ایک دن کو ایکہزار سال سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ سے دُنیا کی عمر سات ہزار سال ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور نیز خدا وتر ہے اور وتر کو دوست رکھتا ہے۔ اور اُس نے جیساکہ سات دن وتر پیدا کئے ہیں۔ ایسا ہی سات ہزار بھی وتر ہیں۔ ان تمام وجوہات سے سمجھ آسکتا ہے کہ یہی آخری زمانہ اور دُنیا کا آخری دَوْر ہے جس کے سر پر مسیح موعود کا ظاہر ہونا کتب الٰہیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب حجج الکرامہ میں گواہی دیتے ہیں۔ کہ اسلام میں جس قدر اہل کشف گذرے ہیں۔ کوئی اُن میں سے مسیح موعود کا زمانہ مقرر کرنے میں چودھویں صدی کے سر سے آگے نہیں گذرا +

اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود کو اس اُمت میں سے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں وعدہ فرمایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ نبوت کے اول اور آخر کے لحاظ سے حضرت موسےٰ سے متشابہ ہونگے۔ پس وہ مشابہت ایک تو اول زمانہ میں تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور ایک آخری زمانہ میں۔ سو اول مشابہت یہ ثابت ہوئی کہ جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السلام کو خدا نے آخرکار فرعون اور اُس کے لشکر پر فتح دی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آخرکار ابو جہل پر جو اُس زمانہ کا فرعون تھا اور اس کے لشکر پر فتح دی اور ان سب کو ہلاک کرکے اسلام کو جزیرہ عرب میں قائم کر دیا۔ اور اس نصرت الٰہی سے یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا۔ اور آخری زمانہ میں یہ مشابہت ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ملت موسوی کے آخری زمانہ میں ایک مسیحا نبی مبعوث فرمایا جو جہاد کا مخالف تھا۔ اور دینی لڑائیوں سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ عفو اور

درگذر اُس کی تعلیم تھی۔ اور وہ ایسے وقت میں آیا تھا جبکہ بنی اسرائیل کی اخلاقی حالتیں بہت بگڑ چکی تھیں۔ اور ان کے چال چلن میں بہت فتور واقع ہو گیا تھا۔ اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔ اور وہ رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور وہ حضرت موسےٰ سے ٹھیک ٹھیک چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور اس پر سلسلہ اسرائیلی نبوت کا ختم ہو گیا تھا۔ اور وہ اسرائیلی نبوت کی آخری اینٹ تھی۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا اور میرے زمانہ میں رسم جہاد کو اُٹھا دیا۔ جیسا کہ پہلے سے خبر دیگئی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کو موقوف کر دیا جائیگا۔ اور اُسی طرح مجھے عفو اور درگذر کی تعلیم دیگئی۔ اور میں ایسے وقت میں آیا جبکہ اندرونی حالت اکثر مسلمانوں کی یہودیوں کی طرح خراب ہو چکی تھی۔ اور روحانیت خراب ہو کر صرف رسوم اور رسم پرستی ان میں باقی رہ گئی تھی۔ اور قرآن شریف میں ان امور کی طرف پہلے سے اشارہ کیا گیا تھا جیسا کہ ایک جگہ مسلمانوں کے آخری زمانہ کے لئے قرآن شریف نے وہ لفظ استعمال کیا ہے جو یہود کے لئے استعمال کیا تھا۔ یعنی فرمایا لننظر کیف تعملون (یونس - ۱۴) جس کے یہ معنے ہیں کہ تم کو خلافت اور سلطنت دیجائیگی۔ مگر آخری زمانہ میں تمہاری بد اعمالی کی وجہ سے وہ سلطنت تم سے چھین لیجائیگی۔ جیسا کہ یہودیوں سے چھین لی گئی تھی۔ اور پھر سورہ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے۔ کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گذرے ہیں۔ وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہونگے۔ چنانچہ اسرائیلی خلیفوں میں سے حضرت عیسےٰ ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اُٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سو اس امت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا۔ دیکھو آیت وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون (النور - ۵۵) اس آیت میں فقرہ کما استخلف الذین من قبلھم قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ

موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے۔ اور چونکہ موسوی خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہوا یعنے حضرت عیسےٰ پر جو حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا۔ اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اُسی شان کا ہو +

اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی ذکر تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اکثر حصّہ مسلمانوں کا یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلیگا۔ اور سورہ فاتحہ میں بھی اسی کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ اس میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے۔ کہ اے خدا ہمیں ایسے یہودی بننے سے محفوظ رکھ جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے۔ اور ان کے مخالف تھے جن پر خدا تعالےٰ کا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ عادت اللہ ہے۔ کہ جب خدا تعالےٰ کسی قوم کو کوئی حکم دیتا ہے۔ یا اُن کو کوئی دعا سکھلاتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ اِن میں سے اس گناہ کے مرتکب ہونگے جس سے اُن کو منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ آیت غیر المغضوب علیھم سے مراد وہ یہودی ہیں جو ملت موسوی کے آخری زمانہ میں یعنی حضرت مسیح کے وقت میں بباعث نہ قبول کرنے حضرت مسیح کے مورد غضب الٰہی ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت میں سُنّت مذکورہ کے لحاظ سے یہ پیشگوئی ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کے آخری زمانہ میں بھی اسی امت میں سے مسیح موعود ظاہر ہوگا اور بعض اس کی مخالفت کرکے ان یہودیوں سے مشابہت پیدا کرلینگے جو حضرت مسیح کے وقت میں تھے۔ یہ بات جائے اعتراض نہیں کہ آنے والا مسیح اگر اسی امت میں سے تھا تو اس کا نام احادیث میں عیسےٰ کیوں رکھا گیا کیونکہ عادت اللہ اسی طرح واقعہ ہے۔ کہ بعض کو بعض کا نام دیا جاتا ہے جیساکہ احادیث میں ابوجہل کا نام فرعون اور حضرت نوح کا نام آدم ثانی رکھا گیا۔ اور یوحنّا کا نام ایلیا رکھا گیا۔ یہ وہ عادت الٰہی ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں +

اور خدا تعالےٰ نے آنے والے مسیح کو پہلے مسیح سے یہ بھی ایک مشابہت دی ہے۔ کہ پہلا مسیح یعنی حضرت عیسے علیہ السلام حضرت موسےٰ سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور ایسا ہی آخری مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے

چودھویں صدی پر ظاہر ہؤا ۔ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان سے سلطنت اسلامی جاتی رہی تھی ۔ اور انگریزی سلطنت کا دَور تھا جیسا کہ حضرت مسیح بھی ایسے ہی وقت میں ظاہر ہوئے تھے جبکہ اسرائیلی سلطنت زوال پذیر ہو کر یہودی لوگ رومی سلطنت کے ماتحت ہو چکے تھے ۔ اور اس اُمّت کے مسیح موعود کے لئے ایک اور مشابہت حضرت عیسٰے سے ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیل میں سے نہ تھے ۔ بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے ۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دادیاں سادات میں سے ہیں ۔ گو باپ سادات میں سے نہیں ۔ اور حضرت عیسٰے کے لئے خدا نے جو یہ پسند کیا ۔ کہ کوئی اسرائیلی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا ۔ اس میں یہ بھید تھا ۔ کہ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا ۔ پس اس لئے تنبیہ کے طور پر ان کو یہ نشان دکھلایا ۔ کہ ان میں سے ایک بچہ صرف ماں سے بغیر شراکت باپ کے پیدا کیا ۔ گویا اسرائیلی وجود کے دو حصّوں میں سے صرف ایک حصّہ حضرت مسیح کے پاس رہ گیا ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا ۔ کہ آنے والے نبی میں یہ بھی نہیں ہوگا ۔ پس چونکہ دنیا ختم ہونے پر ہے ۔ اس لئے میری اس پیدائش میں بھی ایک اشارہ ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ قیامت قریب ہے ۔ اور وہی قریش کی خلافت کے وعدوں کو ختم کر دیگی ۔ غرض موسوی اور محمدی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے ایسے مسیح موعود کی ضرورت تھی ۔ جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظاہر ہوتا اور جیسا کہ سلسلہ اسلامیہ مثیل موسےٰ سے شروع ہؤا ۔ ایسا ہی وہ مثیل عیسٰے پر ختم ہو جائے تا آخر کو اول سے مشابہت ہو ۔ پس یہ بھی میری سچائی کے لئے ایک ثبوت ہے ۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جو خدا ترسی سے غور کرتے ہیں +

خدا اس زمانہ کے مسلمانوں پر رحم کرے کہ اکثر ان کے اعتقادی اُموؔر میں ظلم اور ناانصافی میں حد سے گذر گئے ہیں ۔ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عیسٰے فوت ہو گئے ۔ اور پھر ان کو زندہ سمجھتے ہیں ۔ ایسا ہی قرآن شریف

ہیں سورہ نور میں پڑھتے ہیں۔ کہ تمام خلیفے آنے والے اسی اُمت میں سے ہونگے۔ اور پھر حضرت عیسےٰ کو آسمان سے اُتار رہے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں پڑھتے ہیں۔ کہ وہ عیسےٰ جو اس اُمت کے لئے آئیگا وہ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ پھر اسرائیلی عیسےٰ کے منتظر ہیں۔ اور قرآن شریف میں پڑھتے ہیں۔ کہ عیسےٰ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیگا۔ اور باوجود اس علم کے پھر اس کو دوبارہ دُنیا میں لانا چاہتے ہیں۔ اور بااینہمہ دعوے اسلام بھی ہے اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر زندہ معہ جسم عنصری اُٹھائے گئے۔ مگر اس کا جواب نہیں دیتے۔ کہ کیوں اُٹھائے گئے۔ یہود کا جھگڑا تو صرف رفع روحانی کے بارہ میں تھا۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ ایمانداروں کی طرح حضرت عیسےٰ کی رُوح آسمان پر نہیں اُٹھائی گئی۔ کیونکہ وہ صلیب دیئے گئے تھے۔ اور جو صلیب دیا جائے وہ لعنتی ہے۔ یعنی آسمان پر خدا کی طرف اُس کی رُوح نہیں اُٹھائی جاتی۔ اور قرآن شریف نے صرف اُسی جھگڑے کو فیصلہ کرنا تھا جیسا کہ قرآن شریف کا دعوے ہے۔ کہ وہ یہود و نصارے کی غلطیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اُن کے تنازعات کا فیصلہ کرتا ہے۔ پس یہود کا جھگڑا تو یہ تھا کہ عیسےٰ مسیح ایماندار لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور اُس کی نجات نہیں ہوئی۔ اور اُس کی روح کا رفع خدا تعالےٰ کی طرف نہیں ہُوا۔ اور فیصلہ طلب یہ امر تھا۔ کہ عیسےٰ مسیح ایماندار اور خدا کا سچا نبی ہے یا نہیں۔ اور اُسکی روح کا رفع مومنوں کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف ہوا یا نہیں۔ یہی قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس اگر آیت بل رفعه الله الیه سے یہ مطلب ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر اُٹھالیا۔ تو اس کارروائی سے متنازعہ فیہ امر کا کیا فیصلہ ہُوا۔ گویا خدا نے امر متنازعہ فیہ کو سمجھا ہی نہیں۔ اور وہ فیصلہ دیا جو یہودیوں کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ پھر آیت میں تو یہ صاف لکھا ہے۔ کہ عیسےٰ کا رفع خدا کی طرف ہوا۔ یہ تو نہیں لکھا۔ کہ دوسرے آسمان کی طرف رفع ہُوا۔ کیا خدائے عزّ وجلّ دوسرے آسمان پر بیٹھا ہُوا ہے۔ یا نجات اور ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جسم بھی ساتھ ہی اُٹھایا جائے۔

اور عجب بات یہ ہے۔ کہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں آسمان کا ذکر بھی نہیں بلکہ اس آیت کے تو صرف یہ معنے ہیں۔ کہ خدا نے اپنی طرف مسیح کو اُٹھا لیا۔ اب بتلاؤ۔ کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت موسےٰؑ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کسی اور طرف اُٹھائے گئے تھے۔ خدا کی طرف نہیں۔ مَیں اس جگہ زور سے کہتا ہوں۔ کہ اس آیت کی حضرت مسیح سے تخصیص سمجھنا یعنی رفع الی اللہ اُنھیں کے ساتھ خاص کرنا۔ اور دوسرے نبیوں کو اس سے باہر رکھنا۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسے معنوں سے باستثناء حضرت عیسےٰ تمام انبیاء کو رفع سے جواب دیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے معراج سے آکر اُنکے رفع کی گواہی بھی دی +

یاد رہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کے رفع کا ذکر صرف یہودیوں کی تنبیہ اور دفع اعتراض کے لئے تھا۔ ورنہ یہ رفع تمام انبیاء اور رسل اور مومنوں میں عام ہے۔ مرنے کے بعد ہر ایک مومن کا رفع ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت ھذا ذکر و ان للمتقین لحسن ماٰب ہ جنات عدن مفتحۃ لھم الابواب (ص-۵۰) میں اس رفع کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن کافر کا رفع نہیں ہوتا۔ چنانچہ آیت لا تفتح لھم ابواب السماء (اعراف-۴۰) اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے ہاں جن لوگوں نے مجھ سے پہلے اس بارے میں غلطی کی ہے۔ اُن کو وہ غلطی معاف ہے۔ کیونکہ اُن کو یاد نہیں دلایا گیا تھا۔ ان کو حقیقی معنے خدا کے کلام کے سمجھائے نہیں گئے تھے۔ پر مَیں نے تم کو یاد دلا دیا۔ اور صحیح صحیح معنے سمجھا دیئے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا۔ تو غلطی کے لئے رسمی تقلید کا ایک عُذر تھا۔ لیکن اب کوئی عذر باقی نہیں +

میرے لئے آسمان نے گواہی دی۔ اور زمین نے بھی۔ اور اس اُمت کے بعض اولیاء نے میرا نام اور میرے مسکن کا نام لیکر گواہی دی۔ کہ وہی مسیح موعود ہے اور بعض گواہی دینے والے میرے ظہور سے تیس برس پہلے دُنیا سے گذر چکے۔ جیسا کہ اُن کی شہادتیں میں شائع کر چکا ہوں۔ اور اسی زمانہ میں بعض بزرگان دین

نے جن کے لاکھوں انسان پیرو تھے۔ خدا سے الہام پاکر اور آنحضرتؐ سے رویا میں سُنکر میری تصدیق کی۔ اور اب تک ہزارہا نشان مجھ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور خدا کے پاک نبیوں نے میرے وقت اور زمانہ کو مقرر کیا۔ اور اگر تم سوچو تو تمہارے ہاتھ پیر اور تمہارے دل بھی میرے لئے گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ کمزوریاں حد سے گذر گئیں اور اکثر لوگ ایمان کی حلاوت کو بھی بھول گئے۔ جس ضعف اور کمزوری اور غلطی اور بے راہی اور دُنیا پرستی اور تاریکی میں یہ قوم گرفتار ہو رہی ہے۔ یہ حالت بالطبع تقاضا کر رہی ہے۔ کہ کوئی اُٹھے اور اُن کی دستگیری کرے۔ باانیہمہ اب تک میرا نام دجّال رکھا جاتا ہے۔ وہ قوم کیسی بدنصیب ہے۔ کہ ان کی ایسی نازک حالت کے وقت ان کے لئے دجّال بھیجا جائے۔ وہ قوم کیسی بدبخت ہے کہ اُن کی اندرونی تباہی کے وقت ایک اور تباہی آسمان سے دی جائے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص لعنتی ہے۔ بے ایمان ہے۔ یہی لفظ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی کہے گئے تھے۔ اور ناپاک یہودی اب تک کہتے ہیں۔ مگر قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے وما لنا لا نرى رجالا كنا نعدهم من الاشرار یعنی ہمیں کیا ہو گیا۔ کہ دوزخ میں ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔ دُنیا نے ہمیشہ خدا کے ماموروں سے دشمنی کی کیونکہ دُنیا سے پیار کرنا۔ اور خدا کے مرسلوں سے پیار کرنا ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اور تم دُنیا سے پیار نہ کرتے تو مجھے دیکھ لیتے۔ لیکن اب تم مجھے دیکھ نہیں سکتے +

پھر ماسوائے اسکے اگر یہ بات صحیح ہے۔ کہ آیت بل رفعه الله اليه کے یہی معنے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان دوم کی طرف اُٹھائے گئے۔ تو پھر پیش کرنا چاہئے کہ اصل متنازعہ فیہ امر کا فیصلہ کس آیت میں بتلایا گیا ہے۔ یہودی جواب تک زندہ اور موجود ہیں۔ وہ تو حضرت مسیح کے رفع کے اِنہیں معنوں سے مُنکر ہیں۔ کہ وہ نعوذ باللہ مومن اور صادق نہ تھے۔ اور اُنکی روح کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوا۔ اور شک ہو تو یہودیوں کے علماء سے جاکر پوچھ لو۔ کہ وہ صلیبی موت سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے کہ اس موت سے رُوح معہ جسم آسمان پر نہیں جاتی۔ بلکہ وہ بالاتفاق یہ کہتے ہیں۔ کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے۔ وہ ملعون ہے۔ اُس کا خدا کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے

قرآن شریف میں حضرت عیسےٰ کی صلیبی موت سے انکار کیا۔ اور فرمایا۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ اور صلبوہ کے ساتھ آیتہ میں قتلوہ کا لفظ بڑھا دیا تا اس بات پر دلالت کرے۔ کہ صرف صلیب پر چڑھایا جانا موجب لعنت نہیں۔ بلکہ شرط یہ ہے۔ کہ صلیب پر چڑھایا بھی جاوے۔ اور بہ نیت قتل اُس کی ٹانگیں بھی توڑ دی جائیں۔ اور اس کو مارا بھی جاوے۔ تب وہ موت ملعون کی موت کہلائیگی۔ مگر خدا نے حضرت عیسےٰ کو اس موت سے بچا لیا۔ وہ صلیب پر چڑھائے گئے۔ مگر صلیب کے ذریعہ سے اُن کی موت نہیں ہوئی۔ ہاں یہود کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا کہ گویا وہ صلیب پر مر گئے ہیں۔ اور یہی دھوکا نصاریٰ کو بھی لگ گیا۔ ہاں انہوں نے خیال کیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اصل بات صرف اتنی تھی۔ کہ اس صلیب کے صدمہ سے بیہوش ہو گئے تھے۔ اور یہی معنے شبہ لھم کے ہیں۔ اس واقعہ پر مرہم عیسیٰ کا نسخہ ایک عجیب شہادت ہے جو صدہا سال سے عبرانیوں اور رومیوں اور یونانیوں اور اہل اسلام کی قرابادینوں میں مندرج ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ کے واسطے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔ غرض یہ خیالات نہایت قابل شرم ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ حضرت مسیح کو معہ جسم آسمان پر اُٹھائے گیا تھا۔ گویا یہودیوں سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں پکڑ نہ لیں۔ جن لوگوں کو اصل تنازعہ کی خبر نہ تھی۔ اُنھوں نے ایسے خیالات پھیلائے ہیں۔ اور ایسے خیالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو ہے۔ کیونکہ آپ سے قریش نے بتمامتر اصرار یہ معجزہ طلب کیا تھا۔ کہ آپ ہمارے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں۔ اور کتاب لیکر آسمان سے اُتریں تو ہم سب ایمان لے آوینگے۔ اور اُن کو یہ جواب ملا تھا۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ یعنی میں ایک بشر ہوں اور خدا تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ کہ وعدہ کے برخلاف کسی بشر کو آسمان پر چڑھائے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے۔ کہ تمام بشر زمین پر ہی اپنی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن حضرت مسیح کو خدا نے آسمان پر معہ جسم چڑھا دیا۔ اور اس وعدہ کا کچھ پاس نہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا تھا فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون +

بعض کا یہ خیال ہے۔ کہ ہمیں کسی مسیح موعود کے ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گو ہم نے قبول کیا۔ کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں۔ لیکن جبکہ ہم مسلمان ہیں اور

نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور احکام اسلام کی پیروی کرتے ہیں تو پھر ہمیں کسی دوسرے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس خیال کے لوگ سخت غلطی میں ہیں اول تو وہ مسلمان ہونے کا دعوے کیونکر کرسکتے ہیں۔ جبکہ وہ خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتے حکم تو یہ تھا کہ جب وہ امام موعود ظاہر ہو۔ تو تم بلا توقف اس کی طرف دوڑو۔ اور اگر برف پر گھٹنوں کے بل بھی چلنا پڑے تب بھی اپنے تئیں اُس تک پہنچاؤ۔ لیکن اس کے برخلاف اب لاپروائی ظاہر کیجاتی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے۔ اور یہی مسلمانی ہے۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ سخت سخت گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور کافر کہا جاتا ہے۔ اور نام دجّال رکھا جاتا ہے۔ اور جو شخص مجھے دُکھ دیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اُس نے بڑا ثواب کا کام کیا ہے۔ اور جو مجھے کاذب کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کو خوش کر دیا۔ اے وے لوگو! جن کو صبر اور تقوے کی تعلیم دیگئی تھی۔ تمہیں جلد بازی اور بدظنّی کس نے سکھلائی۔ کونسا نشان ہے جو خدا نے ظاہر نہ کیا۔ اور کونسی دلیل ہے۔ جو خدا نے پیش نہ کی مگر تم نے قبول نہ کیا۔ اور خدا کے حکموں کو دلیری سے ٹال دیا۔ میں اس زمانہ کے حیلہ گر لوگوں کو کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اس مکار سے مشابہ ہیں کہ روز روشن میں آنکھیں بند کر کے کہتا ہے۔ کہ سورج کہاں ہے۔ اے اپنے نفس کے دھوکہ دینے والے! اول اپنی آنکھ کھول پھر تجھے سورج دکھائی دیگا۔ خدا کے مرسل کو کافر کہنا سہل ہے۔ مگر ایمان کی باریک راہوں میں اس کی پیروی کرنا مشکل ہے۔ خدا کے فرستادہ کو دجّال کہنا بہت آسان ہے۔ مگر اُس کی تعلیم کے موافق تنگ دروازہ میں سے داخل ہونا دشوار امر ہے۔ ہر ایک جو کہتا ہے کہ مجھے مسیح موعود کی پروا نہیں ہے اُس کو ایمان کی پروا نہیں ہے۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان اور نجات اور سچی پاکیزگی سے لاپروا ہیں۔ اگر وہ ذرہ انصاف سے کام لیں اور اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ بغیر اس تازہ یقین کے جو خدا کے مرسلوں اور نبیوں کے ذریعہ سے آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اُنکی نمازیں صرف رسم اور عادت ہیں اور اُن کے روزے صرف فاقہ کشی ہیں ✤

اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ سچے طور پر خدا سے محبت کر سکتا ہے۔ اور نہ جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے جبتک کہ اُسی کے

فضل اور کرم سے اسکی معرفت حاصل نہ ہو۔ اور اس سے طاقت نہ ملے۔ اور یہ بات نہایت
ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دُنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان
دل لگاتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ یہ سب
حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ
معرفت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور نہ مفید ہوسکتی ہے
جب تک خدا تعالےٰ کا فضل نہ ہو۔ اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے تب
معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کُھلتا ہے۔ اور پھر بار بار
دور فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل
کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔
فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے۔ اور حجابوں کو درمیان سے
اُٹھا دیتا ہے۔ اور نفس امّارہ کی گرد و غبار کو دور کر دیتا ہے۔ اور روح کو قوت اور
زندگی بخشتا ہے۔ اور نفس امّارہ کو امّارگی کی زندان سے نکالتا ہے۔ اور بد خواہشوں
کی پلیدی سے پاک کرتا ہے۔ اور نفسانی جذبات کی تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان
میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ایسی گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے
کہ بعد اس کے پھر گناہ کی طرف رُخ کرے۔ پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں
پیدا ہوتی ہے۔ وہ دُعا ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ ہم بھی ہر روز دُعا کرتے ہیں۔ اور تمام نماز دُعا
ہی ہے۔ جو ہم پڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دُعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا
ہوتی ہے۔ وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنیوالی
آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے۔ پر آخر کو زندہ
کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے۔ پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات
اس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے +

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہوئے تھکتے نہیں کیونکہ وہ ایک دن رہائی پائینگے۔
مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سُست نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ ایک دن دیکھنے لگینگے۔
مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں
کیونکہ وہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائینگے +

مبارک تم جبکہ تم دعا کرنیمیں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کیلئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لیجاتی ہے۔ اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاویگا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم حیا والا۔ صادق وفادار عاجزوں پر رحم کرنیوالا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ۔ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو۔ کہ وہ تم پر رحم فرمائیگا۔ دُنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو خدا کیلئے ہار اختیار کرلو اور شکست کو قبول کرلو۔ تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دُعا کرنیوالوں کو خدا معجزہ دکھائیگا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دیجائیگی۔ دُعا خدا سے آتی ہے۔ اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے دُعا سے خدا ایسا نزدیک ہوجاتا ہے۔ جیساکہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے دعا کی پہلی نعمت یہ ہے۔ کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے۔ اس کے صفات تو غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اُس کی ایک الگ تجلی ہے جسکو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اُسکو ظاہر کرتی ہے تب اُس خاص تجلی کی شان میں اس تبدیل یافتہ کے لئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی خوارق ہیں +

غرض دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشت خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔ اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے۔ اور پانی کیطرح بہکر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے۔ اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اُسی کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھائی ہے۔ اور روح کا کھڑا ہونا یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔ اور اُس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے۔ اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے تئیں بکلی کھو دیتی ہے۔ اور اپنے نقش وجود کو مٹا دیتی ہے یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے۔ اور شریعت اسلامی نے اسکی تصویر معمولی نماز میں کھینچ کر دکھلائی ہے تا وہ جسمانی نماز روحانی نماز کی طرف محرک ہو کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کے وجود کی ایسی بناوٹ پیدا کی ہے کہ روح کا اثر جسم پر اور جسم کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ جب تمہاری روح غمگین ہو تو آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں

اور جب روح میں خوشی پیدا ہو۔ تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہو جاتی ہے یہانتک کہ انسان بسا اوقات ہنسنے لگتا ہے ایسا ہی جب جسم کو کوئی تکلیف اور درد پہنچے تو اس درد میں روح بھی شریک ہوتی ہے۔ اور جب جسم کسی ٹھنڈی ہوا سے خوش ہو۔ تو روح بھی اُس سے کچھ حصہ لیتی ہے۔ پس جسمانی عبادات کی غرض یہ ہے۔ کہ روح اور جسم کے باہمی تعلقات کی وجہ سے روح میں حضرت احدیت کی طرف حرکت پیدا ہو اور وہ روحانی قیام اور رکوع اور سجود میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ انسان ترقیات کے لئے مجاہدات کا محتاج ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم مجاہدہ کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب دو چیزیں باہم پیوست ہوں تو جب ہم انمیں سے ایک چیز کو اُٹھائینگے۔ تو اس اٹھانے سے دوسری چیز کو بھی جو اس سے ملحق ہے کچھ حرکت پیدا ہوگی لیکن صرف جسمانی قیام اور رکوع اور سجود میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ جبتک کہ اُسکے ساتھ یہ کوشش شامل نہ ہو۔ کہ روح بھی اپنے طور سے قیام اور رکوع اور سجود سے کچھ حصہ لے اور یہ حصہ لینا معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت فضل پر موقوف ✦

خدا نے قدیم سے جب سے کہ انسان کو پیدا کیا ہے یہ سنت جاری کی ہے کہ وہ پہلے اپنے فضل عظیم سے جسکو چاہتا ہے اس پر روح القدس ڈالتا ہے۔ اور پھر روح القدس کی مدد سے اسکے اندر اپنی محبت پیدا کرتا ہے۔ اور صدق و ثبات بخشتا ہے۔ اور بہت سے نشانوں سے اسکی معرفت کو قوی کر دیتا ہے۔ اور اُسکی کمزوریوں کو دور کر دیتا ہے۔ یہانتک کہ وہ سچ مچ اسکی راہ میں جان دینے کو تیار ہوتا ہے۔ اور اس کا اس ذات قدیم سے کچھ ایسا غیر منفک تعلق ہو جاتا ہے۔ کہ وہ تعلق کسی مصیبت سے دور نہیں ہو سکتا اور کوئی تلوار اس علاقہ کو قطع نہیں کر سکتی۔ اور اس محبت کا کوئی عارضی سہارا نہیں ہوتا۔ نہ بہشت کی خواہش۔ نہ دوزخ کا خوف۔ نہ دنیا کا آرام اور نہ کوئی مال و دولت بلکہ ایک لامعلوم تعلق ہے جسکو خدا ہی جانتا ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ یہ گرفتار محبت بھی اس تعلق کی کُنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ کیوں ہے۔ اور کس خواہش اور کس طرح سے ہے۔ کیونکہ وہ ازل سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق معرفت کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ معرفت بعد میں آتی ہے۔ جو اُس تعلق کو روشن کر دیتی ہے۔ جیسا کہ پتھر میں آگ تو پہلے سے ہے۔ لیکن چقماق سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالےٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف تو خدا کے ساتھ اُسکا ایسا ربط ہوتا ہے۔ کہ اُس کی طرف ہر وقت کھینچا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف نوع انسان کے ساتھ بھی اُسکو ایسا تعلق ہوتا ہے جو اُنکی مستعد طبائع کو اپنی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ آفتاب زمین کے تمام طبقات کو اپنی طرف کھینچ رہا

ہے۔ اور خود بھی ایک طرف کھینچا جارہا ہے یہی حالت اُس شخص کی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں **نبی** اور **رسول** اور **محدّث** کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اکثر دعائیں اُن کی قبول ہوتی ہیں۔ اور اپنی دعاؤں میں خداتعالےٰ سے بکثرت جواب پاتے ہیں۔ بعض جاہل اس جگہ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں کبھی دعا بھی قبول ہوجاتی ہے کبھی الہام بھی ہوجاتا ہے پس ہم میں اور رسول میں کیا فرق ہے پس اُنکے نزدیک خدا کے نبی مکار یا دھوکا خوردہ ہیں۔ جو ایک معمولی بات پر فخر کررہے ہیں۔ اور اُن میں اور اُن کے غیر میں کچھ بھی فرق نہیں یا ایک ایسا مغرورانہ خیال ہے۔ جس سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ لیکن طالب حق کیلئے ان اوہام کا صاف جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ خدا نے ایک گروہ کو اپنے خاص **فضل** اور **عنایت** کے ساتھ برگزیدہ کرکے اپنی روحانی نعمتوں کا بہت سا حصہ اُن کو دیا ہے اسلئے باوجود اسکے کہ ایسے معاند اور اندھے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام سے منکر رہے ہیں تاہم خدا کے نبی ان پر غالب آتے رہے ہیں۔ اور ان کا خارق عادت نور ہمیشہ ایسے طور سے ظاہر ہوتا رہا ہے کہ آخر عقلمندوں کو ماننا پڑا ہے۔ کہ اُن میں اور اُنکے غیر و ں میں ایک عظیم الشان امتیاز ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک مفلس گدائی پیشہ کے پاس بھی چند درہم ہوتے ہیں۔ اور ایک شہنشاہ کے خزائن بھی دراہم سے پُر ہوتے ہیں۔ مگر وہ مفلس نہیں کہہ سکتا کہ مَیں اس بادشاہ کے برابر ہوں۔ یا مثلاً ایک کیڑے میں روشنی ہوتی ہے جو رات کو چمکتا ہے۔ اور آفتاب میں بھی روشنی ہے۔ مگر کیڑا نہیں کہہ سکتا کہ میں آفتاب کے برابر ہوں۔ اور خدا نے جو عام لوگوں کے نفوس میں رویا اور کشف اور الہام کی کچھ کچھ تخم ریزی کی ہے یہ محض اسلئے ہے کہ وہ لوگ اپنے ذاتی تجربہ سے انبیاء علیہم السّلام کو شناخت کرسکیں۔ اور اس راہ سے بھی ان پر حجت پوری ہو اور کوئی عذر باقی نہ رہے ✦

اور پھر ایک خصوصیت خدا کے برگزیدہ بندوں میں یہ ہے۔ کہ وہ اہل تاثیر اور اہل جذب ہوتے ہیں اور وہ دُنیا میں روحانی نسلوں کے قائم کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رہنمائی کرتے ہیں۔ اور مخلوق کے ظلماتی پردوں کو درمیان سے اُٹھاتے ہیں اسلئے سچی معرفت الٰہی اور سچی محبت الٰہی اور سچا زُہد و تقوےٰ اور ذوق اور حلاوت اُنھیں کے ذریعہ سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اُن سے تعلق توڑنا ایسا ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک شاخ اپنے درخت سے تعلق توڑ دے۔ اور اُن تعلقات میں کچھ ایسی خاصیت ہے۔ کہ تعلق کرنے کے ساتھ ہی بشرط مناسبت رحمت

کا نشوونما شروع ہو جاتا ہے۔ اور تعلق توڑنے کے ساتھ ہی ایمانی حالت پر گرد و غبار آنا شروع ہو جاتا ہے پس یہ نہایت مغرورانہ خیال ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مجھے خدا کے نبیوں اور رسولوں کی ضرورت نہیں۔ اور نہ کچھ حاجت۔ یہ سلب ایمان کی نشانی ہے۔ اور ایسے خیال والا انسان اپنے تئیں دھوکہ دیتا ہے جبکہ وہ کہتا ہے۔ کہ کیا میں نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا یا کلمہ گو نہیں ہوں۔ چونکہ وہ سچے ایمان اور سچے ذوق و شوق سے بیخبر ہے۔ اسلئے ایسا کہتا ہے۔ اُس کو سوچنا چاہیئے کہ گو انسان کو خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ مگر کس طرح اس نے ایک انسان کو دوسرے انسان کی پیدائش کا سبب بنا دیا ہے۔ پس جس طرح جسمانی سلسلہ میں جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی روحانی سلسلہ میں روحانی باپ بھی ہیں جن سے روحانی پیدائش ہے ہوشیار رہو اور اپنے تئیں صرف ظاہری صورت اسلام سے دھوکہ مت دو۔ اور خدا کے کلام کو غور سے پڑھو کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ وہی چاہتا ہے جس کے بارہ میں سورہ فاتحہ میں تمہیں دُعا سکھلائی گئی ہے یعنے یہ دعا کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔ تو پھر تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو۔ لہذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کیلئے خدا کے انبیا وقتاً بعد وقت آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔ اب کیا تم خدا تعالےٰ کا مقابلہ کرو گے اور اُسکے قدیم قانون کو توڑ دو گے۔ کیا نطفہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہونا نہیں چاہتا کیا کان کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم ہوا کے ذریعہ سے آواز کو سُننا نہیں چاہتے۔ اس سے بڑھکر اور کیا نادانی ہوگی کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدیم پر حملہ ہو +

اخیر پر یہ بھی واضح ہو۔ کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کیطرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور ہندؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے۔ اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور مَیں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں۔ کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کیلئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں۔ جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہیئے۔ کہ روحانی حقیقت کے رو سے مَیں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے

اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے۔ اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ھندوؤں کیلئے کرشن
اور مسلمانوں اور عیسائیوں کیلئے مسیح موعود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اسکو سُن کر
فی الفور یہ کہینگے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لیکر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے لیکن یہ خدا کی وحی ہے جسکے
اظہار کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ اور آج یہ پہلا دن ہے۔ کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو
میں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ خدا کیطرف سے ہوتے ہیں۔ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں
ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان
تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی
تھا جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے
آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے
سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا
تھا۔ خدا کا وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنے اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے
پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا۔ کہ **ہے کرشن رودّر
گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے**۔ سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں
کیونکہ میں اس کا مظہر ہوں۔ اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے۔ کہ جو صفات کرشن
کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنے پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور اُن کو
پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں پس گویا روحانیت کے رو سے کرشن اور مسیح موعود
ایک ہی ہیں صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے +

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہوں انمیں
سے ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریق اور یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے کہ
روحوں اور ذرات عالم کو جن کو پرکرتی یا پرمانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور
انادی سمجھا جائے۔ غیر مخلوق بجز اُس پرمیشر کے کوئی بھی نہیں جو کسی دوسرے کے
سہارے سے زندہ نہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو کسی دوسرے کے سہارے سے زندہ
ہیں۔ وہ غیر مخلوق نہیں ہو سکتیں۔ کیا روحوں کے گُن خود بخود ہیں؟ اُن کا پیدا کرنیوالا
کوئی نہیں؟ اگر یہی صحیح ہے تو روحوں کا جسموں میں داخل ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے
اور ذرات کا اکٹھے ہونا اور متفرق ہونا بھی خود بخود ہو سکتا ہے۔ اس طریق سے پرمیشر

کا وجود ماننے کے لئے کوئی عقلی دلیل آپ کے ہاتھ میں نہیں رہیگی۔ کیونکہ اگر عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے۔ کہ تمام ارواح معہ اپنے تمام گُنوں کے جو اُن کے اندر پائے جاتے ہیں خود بخود ہیں۔ تو اس دوسری بات کو بھی بہت خوشی سے قبول کرلے گی کہ روحوں اور اجسام کا باہم اتصال یا انفصال بھی خود بخود ہے۔ اور جبکہ خود بخود ہونے کی بھی راہ کھُلی ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ وہ راہ کھُلی رکھی جاوے اور دوسری جگہ بند کیجاوے۔ یہ طریق کسی منطق سے رست نہیں ہو سکتا +

پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو پھنسا دیا ہے جس میں اُن کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں پرمیشر کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے مکتی کو میعادی ٹھیرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لئے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں۔ کیا یہ بخل اور تنگ دلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل سلیم تجویز کر سکتی ہے۔ جس حالت میں پرمیشر کو ابدی نجات دینے کی قدرت تھی۔ اور وہ سرب شکتیمان تھا تو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ ایسا بخل اُس نے کیوں کیا۔ کہ اپنی قدرت کے فیض سے بندوں کو محروم رکھا۔ اور پھر یہ اعتراض اور بھی مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن روحوں کو ایک طول طویل عذاب میں ڈالا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے جُونیں بھگتنے کی مصیبت اُن کی قسمت میں لکھ دی ہے وہ سدا سے پرمیشر کی مخلوق بھی نہیں ہیں۔ اس کا جواب آریہ صاحبان کی طرف سے یہ سنایا گیا ہے۔ کہ پرمیشور ہمیشہ کی مکتی دینے پر قادر تو تھا۔ سرب شکتیمان جو ہوا۔ لیکن میعادی مکتی اس وجہ سے تجویز کی گئی کہ تا سلسلہ تناسخ کا ٹوٹ نہ جائے۔ کیونکہ جس حالت میں روحیں ایک تعداد مقررہ کے اندر ہیں۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہو سکتیں پس ایسی صورت میں اگر دائمی مکتی ہوتی تو جونوں کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ جو روح نجات ابدی پاکر مکتی خانہ میں گئی۔ وہ تو گویا پرمیشور کے ہاتھ سے گئی۔ اور اس روزمرہ کے خرچ کا آخری نتیجہ ضرور یہ ہونا تھا کہ ایک دن ایک روح بھی جونوں میں ڈالنے کے لئے پرمیشور کے ہاتھ میں نہ رہتی۔ اور کسی دن یہ شغل تمام ہوکر پرمیشور معطل ہوکر بیٹھ جاتا۔ پس ان مجبوریوں کی وجہ سے پرمیشور نے یہ انتظام کیا کہ مکتی کو ایک حد تک

محدود رکھا۔ اور پھر اسی جگہ ایک اور اعتراض ہوتا تھا کہ پرمیشور نے گناہوں کو جو ایکدفعہ مکتی پا چکے اور گناہوں سے صاف ہو چکے۔ پھر مکتی خانہ سے کیوں بار بار نکالتا ہے۔ اس اعتراض کو پرمیشر نے اس طرح دفع کیا کہ ہر ایک شخص جس کو مکتی خانہ میں داخل کیا ایک گناہ اس کے ذمہ رکھ لیا۔ اسی گناہ کی سزا میں آخر کار ہر ایک روح مکتی خانہ سے نکالی جاتی ہے۔

یہ ہیں اصول آریہ صاحبوں کے۔ اب انصاف کرنا چاہئے کہ جو شخص ان مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کو پرمیشر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ بڑا افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے ایک صاف مسئلہ خالقیت باری تعالےٰ سے انکار کر کے اپنے تئیں بڑی مشکلات میں ڈال لیا۔ اور پرمیشر کے کاموں کو اپنے نفس کے کاموں پر قیاس کر کے اس کی توہین بھی کی۔ اور یہ نہ سوچا کہ خدا ہر ایک صفت میں مخلوق سے الگ ہے۔ اور مخلوق کے پیمانہ صفات سے خدا کو ناپنا یہ ایک ایسی غلطی ہے۔ جس کو اہل مناظرہ قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی یہ تو مخلوق کے کاموں کی نسبت عقل کا ایک ناقص تجربہ ہے۔ پس اسی قاعدہ کے نیچے خدا کی صفات کو بھی داخل کرنا اگر نا سمجھی نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا بغیر جسمانی زبان کے بولتا ہے۔ اور بغیر جسمانی کانوں کے سنتا ہے۔ اور بغیر جسمانی آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ بغیر جسمانی لوازم کے پیدا بھی کرتا ہے۔ اس کو مادہ کے لئے مجبور کرنا گویا خدائی صفات سے معطل کرنا ہے۔ اور پھر اس عقیدہ میں ایک اور بھاری فساد ہے۔ کہ یہ عقیدہ انادی ہونے کی صفت میں ذرہ ذرہ کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اور بت پرست تو چند بتوں کو ہی خدا کے شریک قرار دیتے تھے۔ مگر اس عقیدہ کے رو سے تمام دنیا ہی خدا کی شریک ہے۔ کیونکہ ہر ایک ذرہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ میں یہ باتیں کسی بغض اور عداوت سے نہیں کہتا بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ وید کی اصل تعلیم یہ ہرگز نہیں ہوگی۔ مجھے معلوم ہے کہ خود روفلسفیوں کے ایسے عقیدے تھے جن میں سے بہت سے لوگ آخر کار دہریہ ہو گئے۔ اور مجھے خوف ہے۔ کہ اگر آریہ صاحبوں نے اس عقیدہ سے دست کشی نہ کی تو ان کا انجام بھی یہی ہوگا اور اس عقیدہ کی شاخ جو تناسخ ہے وہ بھی خدا کے رحم اور فضل پر سخت دھبہ لگاتی ہے۔ کیونکہ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین بالشت کے جگہ میں مثلاً

چیونٹیں اتنی ہوتی ہیں کہ کئی ارب سے زاید ہوجاتی ہیں۔ اور ہر ایک قطرہ پانی میں کئی ہزار کیڑا ہوتا ہے۔ اور دریا اور سمندر اور جنگل طرح طرح کے حیوانات اور کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں جن کی طرف ہم انسانی تعداد کو کچھ بھی نسبت نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں خیال آتا ہے کہ اگر بفرض محال تناسخ صحیح ہے تو اب تک پرمیشر نے بنایا کیا؟ اور کس کو مکتی دی اور آیندہ کیا امید رکھی جاوے؟۔

ماسوا اس کے یہ قانون بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سزا تو دی جائے۔ مگر سزا یافتہ شخص کو جرم پر اطلاع نہ دیجائے۔ اور پھر ایک نہایت مصیبت کی جگہ یہ ہے کہ مکتی تو گیان پر موقوف ہے اور گیان ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی کسی جون میں آنے والا خواہ کیسا ہی پنڈت کیوں نہ ہو۔ کوئی حصہ وید کا یاد نہیں رکھتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جونوں کے ذریعہ سے مکتی پانا ہی محال ہے اور جو جونوں کے چکر میں پڑکر مرد اور عورتیں دنیا میں آتے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی ایسی فہرست نہیں آتی جس سے ان کے رشتوں کا حال معلوم ہو۔ تا کوئی بیچارہ کسی ایسی نوزاد کو اپنی شادی میں نہ لاوے جو درصل اس کی ہمشیرہ یا ماں ہے۔

اور نیوگ کا مسئلہ جو آجکل آریہ صاحبوں میں رائج ہے۔ اس کی نسبت تو ہم بار بار یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اس کو جہاں تک ممکن ہو ترک کر دینا چاہئے۔ انسانی سرشت ہرگز قبول نہ کرے گی کہ ایک شخص اپنی عزت دار عورت کو جس پر اس کے تمام ننگ و ناموس کا مدار ہے باوجود اپنے جایز خاوند ہونے کے اور باوجود اس علاقہ کے قایم ہونے کے جو زن وشوہر میں ہوتا ہے۔ پھر اپنی پاک دامن بیوی کو اولاد کی خواہش سے دوسروں سے ہم بستر کراوے۔ اس بارہ میں ہم زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ صرف شریف انسانوں کے کانشنس پر چھوڑتے ہیں۔ بااین ہمہ آریا صاحبان اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اس مذہب کی دعوت کریں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک عقلمند سچائی کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے مگر یہ سچائی نہیں ہے۔ کہ اس خدا کو جس نے اپنی بزرگ قدرتوں سے اپنی ہستی کو ظاہر فرمایا ہے۔ خالقیت سے جواب دیا جاوے۔ اور اس کو تمام فیضوں کا مظہر نہ سمجھا جائے ایسا پرمیشور ہرگز پرمیشور نہیں ہو سکتا۔ انسان نے خدا کو اس کی قدرتوں سے شناخت کیا ہے۔ جب کوئی قدرت اس میں نہیں رہی۔ اور وہ بھی ہماری طرح اسباب کا محتاج ہے

تو پھر اس کی شناخت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر ما سوا اس کے خدا تعالےٰ اپنے احسانات کی وجہ سے قابل عبادت ہے۔ مگر جبکہ اس نے روحوں کو پیدا ہی نہیں کیا اور نہ اس میں بغیر عمل کسی عامل کے فضل اور احسان کرنے کی صفت موجود ہے۔ تو ایسا پرمیشر کس وجہ سے قابل عبادت ٹھہرے گا۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ صاحبوں نے اپنے مذہب کا اچھا نمونہ پیش نہیں کیا۔ پرمیشر کو ایسا کمزور اور کینہ ور ٹھہرایا۔ کہ وہ کروڑہا ارب سزا دیکر پھر بھی دائمی مکتی نہیں دیتا۔ اور غصہ اس کا کبھی فرو نہیں ہوتا اور آریہ صاحبوں نے قومی تہذیب پر نیوگ کا ایک سیاہ داغ لگا دیا ہے۔ اور اس طرح پر انہوں نے غریب عورتوں کی عزت پر بھی حملہ کیا۔ اور دونو پہلو حق اللہ اور حق العباد میں قابل شرم فساد ڈال دیا۔ یہ مذہب پرمیشر کو معطل کرنے کے لحاظ سے دہریوں سے بہت قریب ہے اور نیوگ کے لحاظ سے تو سخت ہی قابل اعتراض ہے۔

اس جگہ مجھے بہت دردِ دل سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی ہے کہ یوں تو اکثر حضرات آریہ صاحبان اور مسیحی صاحبوں کو اسلام کے سچے اور کامل اصولوں پر بیجا حملہ کرنے کی بہت عادت ہے۔ مگر وہ اپنے مذہب میں روحانیت پیدا کرنے سے بہت غافل ہیں۔ مذہب اس بات کا نام نہیں ہے کہ انسان دنیا کے تمام اکابر اور نبیوں اور رسولوں کو بدگوئی سے یاد کرے۔ ایسا کرنا تو مذہب کی اصل غرض سے مخالف ہے۔ بلکہ مذہب سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر ایک بدی سے پاک کر کے اس لایق بناوے۔ کہ اس کی روح ہر وقت خدا تعالےٰ کے آستانہ پر گری رہے۔ اور یقین اور محبت اور معرفت اور صدق اور وفا سے بھر جائے۔ اور اس میں ایک خالص تبدیلی پیدا ہو جائے۔ تا کہ اسی دنیا میں بہشتی زندگی اُس کو حاصل ہو۔ لیکن ایسے عقیدوں سے حقیقی نیکی کب اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں انسانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ صرف خون مسیح پر ایمان لاؤ۔ اور پھر اپنے دلوں میں سمجھ لو۔ کہ گناہوں سے پاک ہو گئے۔ یہ کس قسم کا پاک ہونا ہے جس میں تزکیہ نفس کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ حقیقی پاکی تب حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک تدبیر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔ اور دوسری دعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا کہ وہ گندی زندگی

سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے۔ اور ایک ایسی آگ اس میں پیدا کرے۔ جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کر دے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے۔ اور چاہیئے کہ اسی طرح دعا میں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آجاوے کہ ایک آلہی نور اس کے دل پر نازل ہو۔ اور ایک ایسی چمکتی ہوئی شعاع اس کے نفس پر گرے۔ کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دے۔ اور اس کی کمزوریاں دور فرمائے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے۔ کیونکہ دعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مردے زندہ ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں۔ تو دعاؤں سے۔ اور اگر گندے پاک ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے۔ مگر دعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔ تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے۔ کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔ غرض یہ تین طریق ہی گناہوں سے نجات پانے کے ہیں۔ جن کے اجتماع سے آخر کار فضل شامل حال ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ خون مسیح کا عقیدہ قبول کر کے آپ ہی اپنے دل میں سمجھ لیں۔ کہ ہم گناہوں سے نجات پا گئے۔ یہ تو اپنے تئیں آپ دھوکا دینا ہے انسان ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کا کمال صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ بہت سے جانور کچھ بھی گناہ نہیں کرتے۔ تو کیا وہ کامل کہلا سکتے ہیں۔ اور کیا ہم کسی سے اس طرح پر کوئی انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ ہم نے تیرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ مخلصانہ خدمات سے انعام حاصل ہوتے ہیں اور وہ خدمت خدا کی راہ میں یہ ہے۔ کہ انسان صرف اسی کا ہو جائے۔ اور اس کی محبت سے تمام محبتوں کو توڑ دے۔ اور اس کی رضا کے لئے اپنی رضا چھوڑ دے۔ اس جگہ قرآن شریف نے خوب مثال دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دو شربت نہ پی لے۔ پہلا شربت گناہ کی محبت ٹھنڈی ہونے کا جس کا نام قرآن شریف نے شربت کافوری رکھا ہے اور دوسرا شربت خدا کی محبت دل میں بھرنے کا۔ جس کا نام قرآن شریف نے شربت زنجبیلی رکھا ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبوں اور آریہ صاحبوں نے اس راہ کو اختیار نہ کیا۔ آریہ صاحبان تو اس طرف جھک گئے ہیں کہ گناہ بہر حالت خواہ توبہ ہو یا نہ ہو قابل سزا ہے۔ جس سے بیشمار جونیں بھگتنی پڑیں گی۔ اور عیسائی صاحبان گناہ سے نجات پانے کی وہ راہ بیان فرماتے ہیں۔ جو ابھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ دونو فریق اصل

مطلب سے دور پڑ گئے ہیں۔ اور جس دروازہ سے داخل ہونا تھا۔ اس کو چھوڑ کر دور دور جنگلوں میں سرگردان ہیں۔

یہ تو میں نے آریہ صاحبوں کی خدمت میں گذارش کی ہے۔ اور مسیحی صاحبان جو بڑی کوشش سے اپنے مذہب کی دنیا میں اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کی حالت آریہ صاحبوں سے زیادہ قابل افسوس ہے۔ آریہ صاحبان تو اس زمانہ میں یہ کوشش کر رہے ہیں۔ کہ کسی طرح اپنے پرانے مذہب مخلوق پرستی سے نکلیں۔ اور عیسائی صاحبان اس کوشش میں ہیں۔ کہ مخلوق پرستی میں نہ صرف آپ بلکہ تمام دنیا کو داخل کر دیں۔ محض زبردستی اور تحکم کے طور پر حضرت مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے۔ ان میں کوئی بھی ایک ایسی خاص طاقت ثابت نہیں ہوئی جو دوسرے نبیوں میں پائی نہ جائے۔ بلکہ بعض دوسرے نبی معجزہ نمائی میں اُن سے بڑھ کر تھے۔ اور ان کی کمزوریاں گواہی دے رہی ہیں۔ کہ وہ محض انسان تھے۔ انہوں نے اپنی نسبت کوئی ایسا دعوے نہیں کیا جس سے وہ خدائی کے مدعی ثابت ہوں اور جس قدر ان کے کلمات ہیں جن سے اُن کی خدائی سمجھی جاتی ہے اُنسے ایسا سمجھنا غلطی ہے۔ اس رنگ کے ہزاروں کلمات اللہ خدا کے نبیوں کے حق میں بطور استعارہ اور مجاز کے ہوتے ہیں اُن سے خدائی نکالنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ بلکہ انہیں کا کام ہے جو خواہ نخواہ انسان کو خدا بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ میری وحی اور الہام میں اُن سے بڑھ کر کلمات ہیں۔ پس اگر ان کلمات سے حضرت مسیح کی خدائی ثابت ہوتی ہے تو پھر مجھے بھی نعوذ باللہ حق حاصل ہے کہ یہی دعوے میں بھی کروں سو یاد رکھو کہ خدائی کی حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا دعوے نہیں کیا۔ جو کچھ انہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے وہ الفاظ شفاعت کی حد سے بڑھتے نہیں۔ سو نبیوں کی شفاعت سے کس کو انکار ہے۔ حضرت موسےٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ بنی اسرائیل بھڑکتے ہوئے عذاب سے نجات پا گئے۔ اور میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ اور میری جماعت کے اکثر معزز خوب جانتے ہیں کہ میری شفاعت سے بعض مصائب اور امراض کے مبتلا اپنے دکھوں سے رہائی پا گئے۔ اور یہ خبریں اُن کو پہلے سے دی گئی تھیں اور مسیح کا اپنی امت کی نجات کے لئے مصلوب ہونا۔ اور امت کا گناہ ان پر ڈالے جانا۔ ایک ایسا مہمل عقیدہ

ہے۔ جو عقل سے ہزاروں کوس دور ہے۔ خدا کی صفات عدل اور انصاف سے یہ بہت بعید ہے کہ گناہ کوئی کرے۔ اور سزا کسی دوسرے کو دیجائے۔ غرض یہ عقیدہ غلطیوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خدائے واحد لاشریک کو چھوڑنا۔ اور مخلوق کی پرستش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ اور تین مستقل اور کامل اقنوم قرار دینا۔ جو سب جلال اور قوت میں برابر ہیں اور پھر ان تینوں کی ترکیب سے ایک کامل خدا بنانا۔ یہ ایک ایسی منطق ہے جو دنیا میں مسیحیوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ پھر جائے افسوس تو یہ ہے کہ جس غرض کے لئے یہ نیا منصوبہ بنایا گیا تھا یعنی گناہ سے نجات پانا۔ اور دنیا کی گندی زندگی سے رہائی حاصل کرنا۔ وہ غرض بھی تو حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ کفارہ سے پہلے جیسے حواریوں کی صاف حالت تھی۔ اور وہ دنیا اور دنیا کے درم و دینار سے کچھ غرض نہ رکھتے تھے۔ اور دنیا کے گندوں میں پھنسے ہوئے نہ تھے۔ اور ان کی کوشش دنیا کی کمانے کے لئے نہیں تھی۔ اس قسم کے دل بعد کے لوگوں کے کفارہ کے بعد کہاں رہے۔ خاص کر اس زمانہ میں جس قدر کفارہ اور خون مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔ اسی قدر عیسائیوں میں دنیا کی گرفتاری بڑھتی جاتی ہے اور اکثر ان کے ایک مخمور کی طرح سراسر دن رات دنیا کے شغل میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس جگہ دوسرے گناہوں کا ذکر کرنا۔ جو یورپ میں پھیل رہے ہیں۔ خاص کر شراب خوری اور بدکاری اس ذکر کی کچھ حاجت نہیں۔

اب میں عام سامعین کی خدمت میں اپنے دعوے کے ثبوت میں کچھ بیان کر کے اس تقریر کو ختم کروں گا۔ اے معزز سامعین! خدا تعالیٰ حق کے قبول کرنے کے لئے آپ صاحبوں کے سینوں کو کھولے اور آپ کو حق فہمی کا الہام کرے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ ہر ایک نبی اور رسول اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ اگرچہ اس کی اطاعت کرنے کے لئے عقل کی رو سے اس قدر کافی ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے۔ وہ حق حق ہو۔ اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور فریب کی بات نہ ہو۔ کیونکہ عقل سلیم حق کے قبول کرنے کے لئے کسی معجزہ کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ لیکن چونکہ انسانی فطرت میں ایک قوت واہمہ بھی ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ایک امر فی الواقع صحیح اور سچا اور حق ہو پھر بھی انسان کو وہم اٹھتا ہے۔ کہ شاید بیان کرنے والے کی کوئی خاص غرض نہ ہو۔ یا اس نے دھوکہ نہ کھایا ہو۔ یا دھوکہ نہ دیا ہو۔ اور کبھی بوجہ اس کے معمولی انسان ہونے کے

اس کی بات کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی۔ اور اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے اور کبھی
شہوات نفس امارہ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ گو سمجھ بھی آجاوے کہ جو فرمایا گیا ہے وہ سب
سچ ہے۔ تاہم نفس اپنے ناپاک جذبات کا ایسا مغلوب ہوتا ہے کہ وہ اس راہ پر چل ہی نہیں
سکتا جس پر واعظ ناصح چلانا چاہتا ہے۔ اور یا فطرتی کمزوری قدم اٹھانے سے روک
دیتی ہے۔ پس اس لئے حکمت الٰہی نے تقاضا فرمایا۔ کہ جو لوگ اس کی طرف سے مخصوص
ہوکر آتے ہیں۔ اُن کے ساتھ کچھ نصرت الٰہی کے نشان بھی ہوں۔ جو کبھی رحمت کے رنگ
میں اور کبھی عذاب کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ انہیں نشانوں کی وجہ سے
خدا کی طرف سے بشیر اور نذیر کہلاتے ہیں۔ مگر رحمت کے نشانوں سے وہ مومن حصہ لیتے
ہیں۔ جو خدا کے حکموں کے مقابل پر تکبر نہیں کرتے اور خدا کے فرستادہ لوگوں کو تحقیر اور
توہین سے نہیں دیکھتے۔ اور اپنی فراست خداداد سے ان کو پہچان لیتے ہیں۔ اور تقویٰ
کی راہ کو تحکم پکڑ کر بہت ضد نہیں کرتے۔ اور نہ دنیا داری کے تکبر اور جھوٹی وجاہتوں کی
وجہ سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ بلکہ جب دیکھتے ہیں کہ سنت انبیاء کے موافق ایک شخص
اپنے وقت پر اٹھتا ہے۔ جو خدا کی طرف بلاتا ہے اور اس کی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کی
صحت ملنے کے لئے ایک راہ موجود ہے۔ اور اس میں نصرت الٰہی اور تقویٰ اور دیانت
کے نشان پائے جاتے ہیں۔ اور سنن انبیاء علیہم السلام کے پیمانہ کے رو سے اُس کے
قول یا فعل پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ تو ایسے انسان کو قبول کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض
سعید ایسے بھی ہیں۔ کہ چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں۔ کہ یہ کذاب اور مکار کا چہرہ نہیں
پس ایسے لوگوں کے لئے رحمت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ دمبدم ایک سچا دق کی
صحبت سے ایمانی قوت پاکر اور پاک تبدیلیوں کا مشاہدہ کرکے تازہ بتازہ نشانوں کو
دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمام حقایق اور معارف اور تمام نصرتیں اور تمام تائیدیں اور تمام
قسم کے اعلام غیب ان کے حق میں نشان ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ لطافت ذہن کی
وجہ سے خدا تعالےٰ کی دقیق در دقیق نصرتوں کو اس فرستادہ کی نسبت محسوس کرکے ہر ایک
دربار یک نشانوں پر بھی اطلاع پا لیتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابل پر وہ لوگ بھی ہیں جنکو
رحمت کے نشانوں میں سے حصہ لینا نصیب نہیں۔ جیسا کہ نوح کی قوم نے بجز غرق
کرانے کے معجزہ کے اور کسی نوع کے معجزہ سے حصہ نہ لیا۔ اور لوط کی قوم نے بجز اس

معجزہ کے جو ان کی زمین زیروزبر کی گئی۔ اور ان پر پتھر برسائے گئے اور کسی معجزہ سے فایدہ نہ اٹھایا۔ ایسا ہی اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے۔

میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں نوح کی قوم سے ملتی ہیں۔ کئی سال گذرے ہیں کہ میرے لئے آسمان پر دو نشان ظاہر ہوئے تھے کہ جو خاندان نبوت کی روایت سے ایک پیشگوئی تھی اور وہ یہ کہ جب امام آخر الزمان دنیا میں ظاہر ہوگا تو اس کے لئے دو نشان ظاہر ہوں گے۔ جو کبھی کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے یعنی یہ کہ آسمان پر رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ہوگا۔ اور وہ گرہن چاند گرہن کی معمولی راتوں میں سے پہلی رات میں ہوگا۔ اور ان دنوں میں رمضان ہی میں سورج گرہن بھی ہوگا۔ اور وہ گرہن کے معمولی دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور یہ پیش گوئی سنیوں اور شیعوں میں متفق علیہ تھی اور لکھا تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ کبھی ایسا ظہور میں نہیں آیا کہ مدعی امامت موجود ہو۔ اور اس کے عہد میں یہ دونوں واقعہ نہیں تا ریخوں میں ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن امام آخر الزمان کے عہد میں ایسا ہی ہوگا۔ اور یہ نشان اسی سے خاص ہوگا۔ اور یہ پیشگوئی ان کتابوں میں لکھی گئی تھی۔ جو آج سے ہزار برس پہلے دنیا میں شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن جب یہ پیشگوئی میرے دعوئے امامت کے وقت میں ظاہر ہوئی۔ تو کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور ایک شخص نے بھی اس عظیم الشان پیشگوئی کو دیکھ کر میری بیعت نہ کی۔ بلکہ گالیاں دینے اور ٹھٹھا کرنے میں اور بھی بڑھ گئے۔ میرا نام دجال اور کافر اور کذاب وغیرہ رکھا۔ یہ اسلئے ہوا کہ یہ پیشگوئی بطور عذاب نہ تھی۔ بلکہ رحمت الہی نے قبل از وقت ایک نشان دیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس نشان سے کچھ بھی فایدہ نہ اٹھایا۔ اور کچھ بھی ان کے دلوں کو میری طرف توجہ نہ ہوئی۔ گویا وہ نشان ہی نہیں تھا۔ ایک لغو پیشگوئی تھی۔ جو کی گئی۔ پھر بعد اس کے جب منکروں کی شوخی حد سے بڑھ گئی۔ تو خدا نے ایک عذاب کا نشان زمین پر دکھلایا۔ جیسا کہ ابتدا سے نبیوں کی کتابوں میں لکھا گیا تھا۔ اور وہ عذاب کا نشان طاعون ہے۔ جو چند سال سے اس ملک کو کھا رہی ہے۔ اور کوئی انسانی تدبیر اس کے آگے چل نہیں سکتی۔ اس طاعون کی خبر قرآن شریف میں صریح

لفظوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا۔ یعنی قیامت سے کچھ دن پہلے بہت سخت مری پڑے گی۔ اور اس سے بعض دیہات تو بالکل نابود ہو جاویں گے اور بعض ایک حد تک عذاب اٹھا کر بچ رہیں گے۔ اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب قرب قیامت ہوگا ہم زمین میں سے ایک کیڑا نکالیں گے۔ جو لوگوں کو کاٹے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور یہ صریح طور پر طاعون کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کیونکہ طاعون بھی ایک کیڑا ہے۔ اگرچہ پہلے طبیبوں نے اس کیڑے پر اطلاع نہیں پائی۔ لیکن خدا جو عالم الغیب ہے وہ جانتا تھا کہ طاعون کی جڑھ اصل میں کیڑا ہی ہے جو زمین میں سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کا نام اس نے دابۃ الارض رکھا۔ یعنی زمین کا کیڑا۔ غرض جب نشان عذاب ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں پنجاب میں تلف ہو گئیں۔ اور اس ملک میں ایک ہولناک زلزلہ پڑا۔ تب بعض لوگوں کو ہوش آئی اور چند عرصہ میں دو لاکھ کے قریب لوگوں نے بیعت کر لی اور ابھی زور سے بیعت ہو رہی ہے۔ کیونکہ طاعون نے بھی ابھی اپنا حملہ نہیں چھوڑا اور چونکہ وہ بطور نشان کے ہے۔ اس لئے جب تک اکثر لوگ اپنے اندر کچھ تبدیلی پیدا نہیں کریں گے تب تک امید نہیں کہ یہ مرض اس ملک سے دور ہو سکے۔ غرض یہ سرزمین نوح کے زمانہ کی سرزمین سے بہت مشابہ ہے کہ آسمان کے نشانوں کو دیکھ کر تو کوئی ایمان نہ لایا اور عذاب کے نشان کو دیکھ کر ہزاروں بیعت میں داخل ہوئے۔ اور پہلے نبیوں نے بھی اس نشان کا ذکر کیا ہے۔ انجیل میں بھی مسیح موعود کے وقت میں مری پڑنے کا ذکر ہے۔ اور لڑائیوں کا بھی ذکر ہے۔ جو اب ہو رہی ہیں۔ پس اے مسلمانو تو بہ کرو تم دیکھتے ہو کہ ہر سال تمہارے عزیزوں کو یہ طاعون تم سے جدا کر رہی ہے۔ خدا کی طرف جھکو تا کہ وہ بھی تمہاری طرف جھکے اور ابھی معلوم نہیں کہ کہاں تک طاعون کا دور ہے۔ اور کیا ہونے والا ہے۔

میرے دعوے کی نسبت اگر شبہ ہو اور حق جوئی بھی ہو تو اس شبہ کا دور ہونا بہت سہل ہے کیونکہ ہر ایک نبی کی سچائی تین طریقوں سے پہچانی جاتی ہے **اول** عقل سے یعنے

دیکھنا چاہیئے کہ جس وقت وہ نبی یا رسول آیا ہے عقل سلیم گواہی دیتی ہے یا نہیں کہ وہ وقت اُس کے آنے کی ضرورت بھی تھی یا نہیں اور انسانوں کی حالت موجودہ چاہتی تھی یا نہیں کہ ایسے وقت میں کوئی مصلح پیدا ہو؟ دوسرے پہلے نبیوں کی پیش گوئی یعنے دیکھنا چاہیئے کہ پہلے کسی نبی نے اس کے حق میں یا اس کے زمانہ میں کسی کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یا نہیں؟ تیسرے نصرت الٰہی اور تائید آسمانی یعنے دیکھنا چاہیئے کہ اس کے شامل حال کوئی تائید آسمانی بھی ہے یا نہیں؟۔ یہ تین علامتیں سچے مامور من اللہ کی شناخت کے لئے قدیم سے مقرر ہیں۔ اب اے دوستو خدا نے تم پر رحم کرکے یہ تینوں علامتیں میری تصدیق کے لئے ایک ہی جگہ جمع کر دی ہیں۔ اب چاہو تم قبول کرو یا نہ کرو۔ اگر عقل کی رو سے نظر کرو تو عقل سلیم فریاد کر رہی ہے اور رو رہی ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت ایک آسمانی مصلح کی ضرورت ہے۔ اندرونی اور بیرونی حالتیں دونو خوفناک ہیں اور مسلمان گویا ایک گڑھے کے قریب کھڑے ہیں۔ یا ایک تند سیل کی زد پر آپڑے ہیں۔ اگر پہلی پیشگوئیوں کو تلاش کرو تو دانیال نبی نے بھی میری نسبت اور میرے اس زمانہ کی نسبت پیشگوئی کی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ اسی امت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو دیکھ لے اور صدی کے سر پر مجدد آنے کی پیشگوئی بھی پڑھ لے اور اگر میری نسبت نصرت الٰہی کو تلاش کرنا چاہے تو یاد رہے کہ اب تک ہزارہا نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

منجملہ ان کے وہ نشان ہے جو آج سے چوبیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا اور اس وقت لکھا گیا۔ جبکہ ایک فرد بشر بھی مجھ سے تعلق بیعت نہیں رکھتا تھا اور نہ میرے پاس سفر کرکے کوئی آتا تھا۔ اور وہ نشان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق ۔ یعنے وہ وقت آتا ہے کہ مالی تائیدیں ہر ایک طرف سے تجھے پہونچیں گی۔ اور ہزارہا مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اور پھر فرماتا ہے۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس یعنے اس قدر مخلوق آئے گی کہ تو ان کی کثرت سے حیران ہو جائے گا۔ پس چاہیئے کہ تو ان سے بداخلاقی نہ کرے۔ اور نہ ان کی ملاقاتوں سے تھکے پس اے عزیزو اگرچہ آپ کو یہ تو خبر نہیں کہ قادیاں میں میرے پاس کس قدر لوگ

آئے اور کیسی وضاحت سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ لیکن اسی شہر میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ میرے آنے پر میرے دیکھنے کے لئے ہزارہا مخلوقات اس شہر کی ہی اسٹیشن پر جمع ہوگئی تھی۔ اور صدہا مردوں اور عورتوں نے اسی شہر میں بیعت کی۔ اور میں وہی شخص ہوں جو براہین احمدیہ کے زمانہ سے تخمیناً سات آٹھ سال پہلے اسی شہر میں قریباً سات برس رہ چکا تھا۔ اور کسی کو مجھ سے تعلق نہ تھا۔ اور نہ کوئی میرے حال سے واقف تھا۔ پس اب سوچو اور غور کرو کہ میری کتاب براہین احمدیہ میں اس شہرت اور رجوع خلایق سے چوبیس سال پہلے میری نسبت ایسے وقت میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ کہ جبکہ میں لوگوں کی نظر میں کسی حساب میں نہ تھا۔ اگرچہ میں جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ براہین کی تالیف کے زمانہ کے قریب اسی شہر میں قریباً سات سال رہ چکا ہوں تاہم آپ صاحبوں میں ایسے لوگ کم ہوں گے۔ جو مجھ سے واقفیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ میں اسوقت ایک گمنام آدمی تھا۔ اور احدمن الناس تھا۔ اور میری کوئی عظمت اور عزت لوگوں کی نگاہ میں نہ تھی۔ مگر وہ زمانہ میرے لئے نہایت شیریں تھا۔ کہ انجمن میں خلوت تھی اور کثرت میں وحدت تھی۔ اور شہر میں میں ایسا رہتا تھا۔ جیسا کہ ایک شخص جنگل میں۔ مجھے اس زمین سے ایسی ہی محبت ہے۔ جیسا کہ قادیاں سے کیونکہ میں اپنے اوائل زمانہ کی عمر میں سے ایک حصہ اس میں گذار چکا ہوں۔ اور اس شہر کی گلیوں میں بہت سا پھر چکا ہوں۔ میرے اس زمانہ کے دوست اور مخلص اس شہر میں ایک بزرگ ہیں یعنی حکیم حسام الدین صاحب جن کو اس وقت بھی مجھ سے بہت محبت ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ وہ کیسا زمانہ تھا۔ اور کیسی گمنامی کے گڑھے میں میرا وجود تھا۔ اب میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں ایسی عظیم الشان پیشگوئی کرنا کہ ایسے گمنام کا آخر کار یہ عروج ہوگا۔ کہ لاکھوں لوگ۔ اس کی تابع اور مرید ہوجاویں گے۔ اور فوج در فوج لوگ بیعت کریں گے۔ اور باوجود دشمنوں کی سخت مخالفت کے رجوع خلایق میں فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ اس قدر لوگوں کی کثرت ہوگی کہ قریب ہوگا کہ وہ لوگ تھکا دیں۔ کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے اور کیا ایسی پیش گوئی کوئی مکار کرسکتا ہے کہ چوبیس سال پہلے تنہائی اور بیکسی کے زمانہ میں اس عروج اور مرجع خلایق ہونیکی خبر دے؟ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیش گوئی ہے کوئی گمنام کتاب نہیں۔ بلکہ

وہ اس ملک میں مسلمانوں عیسائیوں اور آریہ صاحبوں کے پاس بھی موجود ہے۔ اور گورنمنٹ میں بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اس عظیم الشان نشان میں شک کرے تو اس کو دنیا میں اس کی نظیر دکھلانا چاہیئے۔

اس کے سوا اور بہت سے نشان ہیں جن سے اس ملک کو اطلاع ہے۔ بعض نادان جن کو حق کا قبول کرنا مسعر ہی نہیں وہ ثابت شدہ نشانوں سے کچھ بھی فایدہ نہیں اٹھاتے اور بیہودہ نکتہ چینیوں سے گریز کی راہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اور ایک دو پیش گوئیوں پر اعتراض کرکے باقی ہزارہا پیش گوئیوں اور کھلے کھلے نشانوں پر خاک ڈالتے ہیں۔ افسوس کہ وہ جھوٹ بولتے وقت ایک ذرہ خدا تعالےٰ سے نہیں ڈرتے اور افترا کے وقت آخرت کے مواخذہ کو یاد نہیں کرتے۔ مجھے ضرورت نہیں کہ ان کے افتراؤں کی تفصیل بیان کرکے سامعین کو ان کے سب حالات سناؤں۔ اگر ان میں تقوےٰ ہوتا۔ اگر ان کو ایک ذرہ خدا تعالےٰ کا خوف ہوتا۔ تو خدا کے نشانوں کی تکذیب میں جلدی نہ کرتے۔ اور اگر بفرض محال کوئی نشان ان کو سمجھ میں نہ آتا تو انسانیت اور نرمی سے اس کی حقیقت مجھ سے پوچھ لیتے۔ ایک بڑا اعتراض ان کا یہ ہے کہ آتھم میعاد کے اندر نہیں مرا۔ اور احمد بیگ اگرچہ پیش گوئی کے مطابق مر گیا مگر داماد اس کا جو اسی پیشگوئی میں داخل تھا۔ نہ مرا۔ یہ ان لوگوں کا تقوےٰ ہے۔ کہ ہزارہا ثابت شدہ نشانوں کا تو ذکر تک منہ پر نہیں لاتے۔ اور ایک دو پیش گوئیاں جو ان کی سمجھ میں نہ آئیں۔ بار بار ان کو ذکر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک مجمع میں شور ڈالتے ہیں۔ اگر خدا کا خوف ہوتا۔ تو ثابت شدہ نشانوں اور پیش گوئیوں سے فایدہ اٹھاتے۔ یہ طریق راستباز انسانوں کا نہیں ہے کہ کھلے کھلے معجزات سے منہ پھیریں۔ اور اگر کوئی دقیق امر ہو۔ تو اس پر اعتراض کردیں۔ اس طرح پر تو تمام انبیاء پر اعتراضات کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور آخر اس طبیعت کے لوگوں کو سب سے دست بردار ہونا پڑیگا مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے میں کیا کلام ہے۔ مگر ایک شریر مخالف کہہ سکتا ہے کہ ان کی بعض پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔ جیسا کہ اب تک یہودی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کی کوئی بھی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا تھا۔ کہ میرے بارہ حواری بارہ تختوں پر بہشت میں بیٹھیں گے۔ مگر وہ بارہ کے گیارہ گئے

اور ایک مرتد ہوگیا۔ اور ایسا ہی اس نے کہا تھا کہ اس زمانہ کے لوگ نہیں مریں گے۔ جب تک کہ میں واپس آجاوں۔ حالانکہ وہ زمانہ کیا اٹھارہ صدیوں کے لوگ قبروں میں جا پڑے اور وہ اب تک نہیں آیا۔ اور اسی زمانہ میں اس کی پیش گوئی جھوٹی نکلی۔ اور اس نے کہا تھا کہ میں یہودیوں کا بادشاہ ہوں۔ مگر کوئی بادشاہت اس کو نہ ملی۔ ایسے ہی اور بہت اعتراض ہیں۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بعض ناپاک طبع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعض پیش گوئیوں پر اعتراض کرکے کل پیش گوئیوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض حدیبیہ کے قصہ کو پیش کرتے ہیں۔ اب اگر ایسے اعتراض تسلیم کے لایق ہیں۔ تو مجھے ان لوگوں پر کیا افسوس۔ مگر یہ خوف ہے کہ اس طریق کو اختیار کرکے کہیں اسلام کو ہی الوداع نہ کہدیں۔

تمام نبیوں کی پیش گوئیوں میں ایسا ہی میری پیش گوئیوں میں بعض اجتہادی دخل بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حدیبیہ کے سفر میں بھی اجتہادی دخل تھا۔ تب ہی تو آپ نے سفر کیا تھا۔ مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ نبی کی شان اور جلالت اور عزت میں اس سے کچھ فرق نہیں آتا۔ کہ کبھی اس کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو۔ اگر کہو کہ اس سے امان اٹھ جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرت کا پہلو اس امان کو محفوظ رکھتا ہے۔ کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے۔ اور معہذا اکثر مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ پس اگر مجمل وحی میں اجتہاد کے رنگ میں کوئی غلطی بھی ہوجائے۔ تو بینات محکمات کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہونچتا۔ پس میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو اور اس کے سمجھنے میں اجتہادی رنگ کی غلطی ہو۔ اس بات میں تمام انبیا شریک ہیں۔ لعنت اللہ علے الکاذبین اور ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں خدا پر فرض نہیں ہے کہ ان کو ظہور میں لاوے۔ یونس کی پیشگوئی اس پر شاہد ہے۔ اس پر تمام انبیا کا اتفاق ہے۔ کہ خدا کے ارادے جو وعید کے رنگ میں ہوں۔ صدقہ اور دعا سے ٹل سکتے ہیں۔ پس اگر وعید کی پیش گوئی ٹل نہیں سکتی۔ تو صدقہ اور دعا لاحاصل ہے۔

اب ہم اِس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا شکر کرتے ہیں جس نے باوجود علالت اور ضعف جسمانی کے اس کے لکھنے کی ہمیں توفیق دی۔ اور ہم جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ اِس تقریر کو بہتوں کے لئے موجب ہدایت کرے اور جیساکہ اِس مجمع میں ظاہری اجتماع نظر آرہا ہے۔ ایسا ہی تمام دلوں میں ہدایت کے سلسلہ میں باہم ربط اور محبت پیدا کردے اور ہر ایک طرف ہدایت کی ہوا چلاوے بغیر آسمانی روشنی کے آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ سو خدا آسمان سے روحانی روشنی کونازل کرے۔ تاکہ آنکھیں دیکھ سکیں۔ اور غیب سے ہوا پیدا کردے۔ تاکہ کان سنیں۔ کون ہے جو ہماری طرف آسکتا ہے۔ مگر وہی جس کو خدا ہماری طرف کھینچے وہ بہتوں کو کھینچ رہا ہے۔ اور کھینچے گا۔ اور کئی قفل توڑے گا۔ ہمارے دعوےٰ کی جڑھ حضرت عیسےٰ کی وفات ہے۔ اس جڑھ کو خدا اپنے ہاتھ سے پانی دیتا ہے اور رسول اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا نے قول سے اور اس کے رسول نے فعل سے یعنے اپنی چشم دید اور رویت سے گواہی دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہوگئے اور آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو فوت شدہ ارواح میں دیکھ لیا ہے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی لوگ ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کو ایسی خصوصیت دیتے ہیں جو کسی نبی کو خصوصیت نہیں دی گئی۔ یہ امور ہیں جن سے حضرت مسیح کی الوہیت کو عیسائیوں کے زعم میں قوت پہونچتی ہے۔ اور بہت سے کچے آدمی ایسے عقاید سے ٹھوکر کھاتے ہیں ہم گواہ ہیں کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہوگئے اب ان کے زندہ کرنے میں دین کی ہلاکت ہے اور اس خیال میں لگنا خواہ مخواہ کی خاک بیزی ہے۔ اسلام میں اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے جیساکہ آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل سے ثابت ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے جو اِس اجماع کے موجب ہوئے اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔

اخیر پر ہم اِس گورنمنٹ انگریزی کا سچے دل سے شکر کرتے ہیں۔ جس نے اپنی کشادہ دلی سے ہمیں مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے۔ یہ آزادی جس کی وجہ سے ہم نہایت ضروری دینی علوم کو لوگوں تک پہونچاتے ہیں۔ یہ ایسی نعمت نہیں ہے جس کی وجہ سے معمولی طور پر ہم اِس گورنمنٹ کا شکر کریں۔ بلکہ تہ دل سے شکر کرنا

چاہیئے۔ اگر یہ گورنمنٹ عالیہ ہمیں کئی لاکھ کی جاگیر دیتی۔ مگر یہ آزادی نہ دیتی۔ تو ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ وہ جاگیر اس کے برابر نہ تھی۔ کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے۔ مگر یہ وہ مال ہے جس کو فنا نہیں۔ ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کے سچے دل سے شکرگذار رہیں۔ کیونکہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ نیک انسان وہی ہے کہ جیسے خدا تعالےٰ کا شکر کرتا ہے۔ اس انسان کا بھی شکر کرے۔ جس کے ذریعہ اس منعم حقیقی کی کوئی نعمت اس کو پہونچی ہے۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدےٰ +

الراقم میرزا غلام احمد قادیانی

یکم نومبر ۱۹۰۴ء روز شنبہ

سیالکوٹ

حکم است ز آسماں بزمیں مے رسانمش
گر بشنوم نگویمش آنرا کجا برم

ماموروم و مرا چہ دریں کار اختیار
رو ایں سخن بگو بخداوند آمرم

اے حسرتا ایں گروہ عزیزاں مرا ندید
وقتے بہ بینندم کہ ازیں خاک بگذرم

ہر شب ہزار غم بمن آید ز درد قوم
یارب نجات بخش ازیں روز پر شرم

بعد از رہم ہر آنچہ پسند نہ ہیچ نیست
بدقسمت آنکہ در نظرش ہیچ محترم

بعد از خدا بہ عشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

جانم گداخت از غم ایمانت اے عزیز
ویں طرفہ تر کہ من نگہبان تو کافرم

یارب آب چشم من ایں کسل شاں بشو
کامروز تر شدست ازیں درد بسترم

جانم فدا شود برہ دین مصطفےٰؐ
این است کام دل اگر آید میسرم

کیا ہم ایمان رکھتے ہیں؟

انگلستان میں آجکل ایک نہایت دلچسپ بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ آیا ہم لوگ واقعی ایمان رکھتے ہیں۔ یا ہمارا دعوے ایمان صرف ایک مونہہ کی بات ہے۔ یہ سوال معلوم ہوتا ہے بہت سے دلوں میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن عام طور پر اس کو پوچھنے یا اس کا صحیح اور صاف صاف جواب دینے کی جرات کسی کو نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک نامہ نگار نے یہ سوال چھیڑ دیا اور اس کے جواب میں ہر طرف سے چھٹیاں آنی شروع ہوئیں۔ جو اخبار مذکور میں چھپتی رہیں۔ اور اس سوال کے ہر پہلو پر مبسوط بحث ہوئی ہے۔ جس میں سب سے پہلے نامہ نگار کے خیالات کی تائید اور تردید میں بکثرت مضامین چھپے ہیں۔ اس جگہ ہم اس کل بحث میں سے ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف سے دو چھٹیاں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اس سوال کے نفی اور اثبات میں کیسے کیسے دلائل دیئے گئے ہیں۔ پہلی چھٹی کا مضمون حسب ذیل ہے۔

"جناب من ہم ایمان لاتے ہیں اگرچہ ان دنوں میں جب دنیا میں مختلف عقاید اور بہت سارے غلط عقیدے پھیلے ہوئے ہیں۔ ایماندار لوگ جیسا کہ نجات دہندہ نے کہا تھا۔ ایک بہت چھوٹا گلہ ہیں۔ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہر خداوند کے دن ہم عبادت میں مصروف ہوکر اس کی پرستش کرتے ہیں اور صرف اسکی حمد ہی نہیں کرتے جو ہماری نئی قوم کا سر ہے یعنی انسان یسوع مسیح بلکہ اس بڑی بھاری جماعت کیلئے دعا بھی کرتے ہیں جنکی اس برتر ہستی سے دوری اور علیحدگی کی زندگیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ایسے آدمی جو شراب خانوں کو عبادت خانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ عورتیں جو کہ کام میں اسقدر مشغول ہوتی ہیں کہ وہ اسی چیز کو بھول جاتی ہیں۔ جو سب سے زیادہ ضروری ہے دشمن جو کہ ارتداد اور کفر کو ایمان پر اور تفرقہ کو وحدت پر ترجیح دیتے ہیں وہ جنکی روح اعلےٰ زندگی سے لاپرواہ ہے جو اس سفلی زندگی پر جو خاک سے بنی ہوئی ہے حد سے زیادہ گرے ہوئے ہیں اور آخر اسی خاک میں واپس ہو جاتے ہیں۔ جناب من میں کہتا ہوں کہ بیشک ہم ایمان لاتے ہیں جبکہ ہم منتظر ہیں کہ آسمانی کشش سے ایسی روحیں ہماری طرف آخر کار آجائیں گی۔ جو کہ بحث مباحثہ سے جیتی نہیں جا سکتیں اور اگرچہ وہ خداوند کے حضور سے یونس کی طرح بھاگ گئی ہیں تاکہ وہ اپنے خواہشات کے راہوں میں چلیں اور اپنی چڑچڑی طبیعتوں

کے مطابق کام کریں۔ تاہم وہ واپس لائی جائینگی ۔ جناب من ہم یقین رکھتے ہیں ۔ کہ جوں جوں ہم مجاہدہ اور کوشش کرتے ہیں ۔ نہ صرف ہمارے باپ دادوں کا ایمان ۔ ایمان اور دعا ۔ ہمارے ملک کو مسیح کی طرف واپس لاوینگے بلکہ وہ خوشی کی جھلکیں جو ایسا کرنے میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں ۔ داؤد کے اس قول کی تائید کرتی ہیں ۔ کہ ہم اپنے خداوند کی موجودگی کو راستبازی میں دیکھتے ہیں ۔ اور کہ جب ہم اُس کی شکل و صورت میں جاگ اُٹھینگے تو ہم کو پھر ایمان کی ضرورت نہیں ہوگی ۔ کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھینگے ۔ اور اسطرح تسلی پائینگے ۔ مَیں ہوں آپ کا تابعدار شمالی پہاڑیوں میں ایک پادری" ✦

ایک اور چٹھی کا مضمون حسب ذیل ہے :-

جناب من ۔ میں آپ کی اجازت سے یہ سوال اُٹھانا چاہتا ہوں ۔ کہ آیا ایمان اور عقائد کے زوال کے ساتھ کوئی ایسی علامات بھی ظاہر ہوئی ہیں جن سے معلوم ہو کہ سخاوت اور عام انسانی ہمدردی اور وسعت خیالات کے معاملہ میں ہم نے تنزل کی طرف رُخ کیا ہے ۔ اور کہ آیا جس قدر آبادی میں ترقی ہوئی ہے اُس سے نسبتاً جرائم کی ترقی زیادہ ہوئی ہے یا نہیں ۔ اس امر کا کہ اس زمانہ میں کفر کی ایک رو ساری دنیا پر پھر گئی ہے خصوصاً عیسائی عقاید کے انکار کی رو ۔ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا جب تک کہ ہٹ سے اپنی آنکھیں بند نہ کرلے ۔ اس کے نشان ہر جگہ پائے جاتے ہیں ۔ اخبارات اور رسالوں میں اور بڑی بڑی مشہور تصنیفوں میں جنمیں سے بعض کسی دن زمانہ کی یادگار سمجھی جائینگی ۔ جیسا کہ رینن کی سوانح یسوع مسیح ۔ دوسری طرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ آیا جرائم بڑھ گئے ہیں ۔ اور عملی نیکیاں جیسے سخاوت اور انسان کی ترقی کے لئے ایک عام کوشش کیا ان میں کوئی کمی ظاہر ہوئی ہے ۔ میرے پاس کوئی ایسا نقشہ موجود نہیں جس سے کوئی نتیجہ نکال سکوں ۔ البتہ میں اپنے پچاس برس کے ذاتی تجربہ اور تاریخ کے مطالعہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ حالت اس کے بالکل برعکس ہے ۔ دُنیا کی آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے ۔ کہ ایسا مقابلہ کرنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے ۔ لیکن اس قدر شہادت تو صاف ملتی ہے ۔ کہ جیسے جیسے عیسائی مذہبی عقیدہ تنزل اور زوال کی طرف جا رہا ہے ۔ اُسی قدر دُنیا ترقی کر رہی ہے ۔ ہاں یہ امر فیصلہ شدہ نہیں کہ آیا یہ صرف ایک اتفاقی واقعہ ہے یا اس میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے ۔ مثلاً اِس زمانہ کے حالات

کو عیسائیت کے درمیانی زمانہ کے حالات سے مقابلہ کرو جبکہ مذہب کی حکومت تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل پر جنگ تک نوبت پہنچتی تھی۔ درحقیقت یہ سوال پوچھا جانے کے قابل ہے۔ کہ آیا یہ بالکل صاف بات ہے کہ بعض عیسائی عقاید خواہ وہ پرانے ہوں اور خواہ پراٹسٹنٹ کے ہوں اخلاقی ترقی کو تنزل کی طرف لانے والے نہیں ؟ اگر مجھ سے پوچھتے ہیں تو جھوٹی تسلی جو آپ کے بعض نامہ نگاروں نے دی ہے۔ خصوصاً آپ کے دوشنبہ کے پرچہ میں ایک نامہ نگار نے یا وہ تقریریں جو ممبروں پر چڑھ کر کی جاتی ہیں میرے غصہ کو بھڑکاتی ہیں۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ بہت سارے غور کرنیوالے اور سنجیدہ آدمی اسی قسم کے اور بھی ہیں۔ اور اُن کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ میرا مطلب آپ کے اُس نامہ نگار سے ہے جس نے ایک ایماندار عیسائی کے اطمینان قلب کے متعلق لکھا تھا کہ اُسکو ایسا یقین ہوتا ہے جیسا یقین ممکن طور پر کسی امر کے متعلق ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ان کوڑوں میں سے جو اُسکے نجات دہندہ کی پیٹھ پر لگے تھے وہ اسکی اپنی بد چلنیوں کی سزا بطور کفارہ تھی کیسا سیاہ جھوٹ ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے عام آدمی جن کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور بلا شک بہت سارے مذہبی سرگروہ ایسی باتوں پر ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ایسا ایمان ہمارا نہیں۔ کیونکہ اس جھوٹے اعتقاد کے دور ہونے پر ہماری اخلاقی ترقی منحصر ہے۔ آپ کا تابعدار ایک طالب حق بلیگیو۔ ۵۔ اکتوبر" +

یہ سوال جو یہاں پوچھا گیا ہے۔ دو الگ الگ سوالوں پر منقسم ہوتا ہے یعنی اول یہ سوال کہ کس قدر ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ایمان کا اقرار کرتے ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ ان لوگوں میں سے جو مُنہ سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو واقعی ایماندار ہیں۔ جزاول تو چند لفظوں میں ہی طے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کا عیسائی عقاید پر ایمان نہیں وہ صاف طور پر اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ انکی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہے سو اس سے نہ کوئی انکار ہی کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی ثبوت کی ضرورت ہے۔ بہت سارے نوجوان ایسے پائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ عامی لوگوں میں سے ہوں۔ اور خواہ مذہبی پیشواؤں میں سے جو اس امر کے منکر ہیں۔ کہ یسوع مسیح نے صلیب کی لعنتی موت اُن کے گناہوں کی خاطر اُٹھائی۔ اور وہ ایسی تجویز کو خدا کی طرف سے نجات کی تجویز ہرگز نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی یسوع کے جی اُٹھنے یا آسمان پر چڑھ جانے پر ایمان لاتے

ہیں ۔ باقی رہی دوسری جماعت جسمیں وہ لوگ شامل ہیں جو منہ سے ایماندار ہونے کا اقرار کرتے ہیں ۔ سو اُن کے متعلق سب سے زیادہ ضروری سوال حل کرنے کے قابل یہ ہے ۔ کہ آیا جن باتوں پر ایمان لانیکا اقرار وہ مُنہ سے کرتے ہیں واقعی بھی اُن کو مانتے ہیں کہ نہیں ۔ یہ اس زمانے میں ایک نہایت ضروری سوال ہے ۔ اور اس سوال کا سچا جواب صرف عیسائیوں سے ہی تعلق نہیں رکھتا ۔ بلکہ ہر ایک اہل مذہب کے متعلق اس سوال کا وہی جواب ہوگا +

اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک سچے مذہب کی غرض اسکی پیدائش کے وقت یہ نہ تھی کہ وہ عقاید کا ایک مجموعہ تیار کرے ۔ بلکہ بڑی غرض اسکی یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے متعلق انسانوں کے دلوں میں یقین کامل پیدا کرے اور اُن کو گناہوں کی زندگی سے چھڑائے اور اعلےٰ درجہ کے اخلاق سکھا کر انسان میں اور اللہ تعالےٰ میں سچا تعلق پیدا کرے اور عقاید اس غرض کے حصول کا ذریعہ تھے ۔ اگر ہم بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں اور ان کے سب سے پہلے پیرؤں کی زندگیوں پر غور کریں ۔ تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگیاں اُن کے ایمان کا ہی نقشہ تھیں اگر یہی سوال اُن کے متعلق پوچھا جائے جو آج دنیا میں پوچھا جا رہا ہے ۔ تو ہمیں اس کا جواب دینے میں کوئی تامل کرنا ہی نہیں پڑتا کیونکہ اُن کا ایمان اُن کے اعمال سے ظاہر تھا ۔ ان کا ایمان خالی منہ سے اقرار کا نام نہ تھا ۔ بلکہ دل میں رچا ہوا تھا اور اس لئے اُن کے اعمال میں صاف طور پر پایا جاتا تھا ۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان یقین کی حد تک پہنچا ہوا تھا ۔ مگر اس زمانے میں ایمان اسی کا نام رکھا جاتا ہے جو منہ سے کوئی بات کہدے ۔ خواہ عمل میں دکھائے یا نہ دکھائے ۔ عیسائیت کے اس عقیدہ کو کہ مسیح کی موت دنیا کے گناہوں کو اٹھا لے گئی جو ایک نہایت ہی بے معنی اور مہمل بات ہے بالفعل الگ چھوڑ کر اہم اور ضروری سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ خدا پر ایمان لانے کی کوئی غرض بھی ہے ۔ کیا ایمان صرف اسی حد تک محدود ہے کہ ایک شخص منہ سے کسی بات کا اقرار کرے یا اس کا اثر اس کی زندگی پر بھی ہونا چاہئے ۔ اگر یہ خالی منہ کی بات ہی ہے تو پھر ایسے ایمان کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ اور ایسے خشک ایمان سے حاصل ہی کیا ہے جو انسان کی عملی حالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا ہمارے خیال میں کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو ایمان کو ایک ایسی نکمی اور فضول چیز قرار نہ دیگا ۔ اس لئے ضرور ہے کہ کوئی اہم غرض ایسی ہے جس کا حصول خدا پر ایمان لانے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا ۔ پہلا سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان کا مفہوم کیا ہے خدا پر ایمان لانا اس امر کے ماننے کا نام ہے کہ ایک اعلےٰ ہستی ہے جس نے دنیا کو پیدا

کیا اور جسکے سبب سے یہ دُنیا قائم ہے۔ اور اسی اعلےٰ ہستی کے ارادے اور منشاء کے مطابق اس دنیا کے کاروبار کا کل سلسلہ چل رہا ہے۔ انسان خدا پر ایمان لاکر دل سے اسبات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسکا ایک ایسا مالک اور آقا ہے جس کا علم اور جسکی طاقت اس عالم کے ایک ایک ذرہ پر محیط ہے جسکی آنکھ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اور جسکی حکومت سے کوئی باہر نہیں۔ پھر ایمان لاکر انسان اس امر کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ خدا کامل اور بے عیب اور تمام نقصوں سے بری ہے۔ وہ پاک ہے۔ اور پاکیزگی سے محبت کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے پس خدا پر ایمان لاکر انسان ان سب باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ اور اسی لئے ایک سچے ایماندار کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ پاکیزگی کے حاصل کرنے اور بدی سے دور رہنے کیلئے ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔ خدا کے حضور عاجزی اور فروتنی اختیار کرے۔ انسانی کمزوریوں کے دور ہونے کیلئے اس سے مدد مانگے۔ اور یہ بات اسکے دل میں رچ جاوے کہ خدا تعالےٰ اسکے دل کے بھیدوں اور اُسکے مخفی در مخفی ارادوں سے آگاہ ہے۔ اور وہ نیک کاموں کا نیک بدلہ اور بُرے کاموں کی سزا دینے والا ہے۔ پس دوسرا سوال اس جگہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص جو ایمان کا دعوے کرتا ہے وہ درحقیقت خدا پر ایمان بھی رکھتا ہے۔ انسان کا ایمان اور اسکی عملی زندگی دو مختلف راہ اختیار نہیں کرسکتی کیونکہ جب ایمان دل سے ایک بات کو یقینی اور قطعی طور پر سچا مان لینے کا نام ہے۔ تو اس کا اثر انسان کی عملی زندگی پر ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ صحیح قطعی اور یقینی علم کا۔ اب دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے متعلق انسان کا عمل اسکے علم کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو علم ہے۔ کہ آگ جلا دینے والی چیز ہے۔ وہ جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ کبھی نہیں ڈالیگا۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسکا ہاتھ جل جائیگا۔ اور وہ ایسا فعل نہیں کریگا کیونکہ اس میں اسکی ہلاکت ہے ایسا ہی جس شخص کو علم ہے۔ کہ ایک کوٹھے کی چھت گر رہی ہے۔ وہ اسکے نیچے کبھی نہیں جائیگا۔ خواہ اس کا قیمتی اسباب بھی اسکے نیچے ضائع ہو رہا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے اسکی جان جائیگی۔ اب جائے غور ہے۔ کہ دنیوی امور میں ہمارا عمل کیسا ہمارے علم سے مطابق ہے۔ پس جیسا ہم کو یہ علم ہے۔ کہ آگ جلاتی ہے۔ اور پانی میں انسان ڈوب جاتا ہے۔ اگر ایسے ہی یقین کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہوں۔ کہ خدا ہے اور اُسے ہمارے ہر ایک فعل کا علم ہے۔ اور وہ بدی کو بُرا جانتا اور اسکی سزا دیتا ہے۔ اور نیکی سے پیار کرتا اور اُسکا نیک بدلہ دیتا ہے۔ اور اسکے غضب کی آگ اس شخص کو کھا جانیکو تیار ہے جو اُسکی مرضی کے خلاف چلتا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ

ہم اُس کی مرضی کے خلاف چلیں یا کوئی ایسا فعل کریں جس میں اُسکی ناراضگی ہو پھر تو ہمیں گناہ سے ایسا ہی بچنا چاہئے جیسا ہم آگ سے بچتے ہیں یا اپنی ہلاکت کی راہوں سے ڈر کر بھاگتے ہیں ایسا ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں۔ کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف چلتا ہے۔ اور ایسے افعال کرتا ہے جو خدا کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔ اُسکو خدا پر یقینی ایمان ہرگز حاصل نہیں۔ شاید یہ کہا جائیگا کہ اگر ہم مدعیان ایمان میں سے اس بڑے حصہ کو خارج بھی کر دیں جن کا ایمان محض باتوں تک ہی محدود ہوتا ہے تاہم ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ خواہ انکی تعداد تھوڑی ہی ہو جو سچے دل سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر قادر نہیں۔ کہ گناہ سے ایسے بچ سکیں جیسے آگ سے بچتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جس فعل کا نتیجہ یقینی سزا یا ہلاکت ہو اُس فعل کو انسان کبھی بھی اختیار نہیں کرتا۔ دنیاوی حکومتوں کے ماتحت جو جرائم ہوتے ہیں اُن کا رنگ الگ ہوتا ہے۔ کیونکہ مثلاً جب چور چوری کرتا ہے۔ تو اُس کو غالب یقین یہی ہوتا ہے کہ وہ پکڑا نہیں جائیگا پس سزا بھی یقینی نہیں ہوتی۔ اگر اُسے علم ہو کہ صاحب خانہ جاگ رہا ہے۔ تو ممکن نہیں کہ وہ نقب لگانے کی جُرات کر سکے۔ لیکن جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ شاید میری یہ بدی خدا سے چھپی ہی رہے۔ وہ یقینی طور پر جانتا ہے۔ کہ جو کچھ وہ کریگا ضرور ضرور اگر وہ بُرا کام ہے تو اُسکی سزا بھی بھگتیگا۔ ایسے یقین کے ساتھ وہ کبھی خدا کے منشاء کے خلاف نہیں چل سکتا۔ اور اگر کوئی شخص خدا کے منشاء کے خلاف چلتا ہے تو ضرور ہے کہ اُسکو ایسا یقین حاصل نہیں۔ یہ دونوں امور لازم ملزوم ہیں۔ جو ایمان وہ ظاہر کرتا ہے ضرور ہے کہ اسکے نیچے یہ چھپا ہوا خیال موجود ہو کہ باریتعالےٰ کی ہستی پر کوئی قطعی اور یقینی ثبوت نہیں اور نہ ہی نیک و بد کی جزا و سزا پر کوئی ایسی قاطع دلیل موجود ہے جو کسطرح گناہ کا مرتکب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا فعل خدا کے علم میں نہیں آئیگا یا اُسکی طاقت مجھے پکڑ نہ سکیگی پس اگرچہ وہ اپنے دل کو یہ تسلی دے کہ اُسے خدا پر ایمان ہے۔ لیکن یہ جھوٹی تسلی ہوگی۔ اور اگر اُس کے دل کی تہ کے تخفی در مخفی خیالات کو الگ الگ کر کے ذہنی میں رکھنا ممکن ہو تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس وقت جب اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا ضرور اسکے دل میں یہ چھپا ہوا خیال موجود تھا کہ خدا کی ہستی اور جزا و سزا کوئی یقینی امور نہیں ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس خیال کو معلوم نہ کر سکے اور اسی دھوکہ میں پڑا رہے کہ وہ واقعی اور سچا مومن ہے۔ اور خدا کی ہستی پر یقینی ایمان رکھتا ہے +

پس معلوم ہوا کہ خدا پر ایمان لانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ انسان گناہ سے بچ سکے اس طرح پر اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں بہت ہی کم ایسے

لوگ ہونگے جو اس کا جواب اثبات میں دے سکیں۔ ہر ایک انسان بجائے خود سوچ سکتا ہے کہ اگر اس سے یہ سوال پوچھا جائے تو وہ اس کا کیا جواب دیگا۔ اگر وہ جانتا ہے کہ تنہائی کے گوشہ میں جب وہ تمام دنیا کی نظروں سے چھپا ہوا ہو اور بڑے جوشوں کے وقت میں بھی وہ اپنے آپکو خدا تعالےٰ کے حضور میں ہی دیکھتا ہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اسکا ایمان اللہ تعالےٰ پر ویسا ہی پکا اور یقینی ہے جیساکہ وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی وقت اور کوئی سے حالات کے ماتحت جذبات نفس کا تابع اپنے آپ کو پاتا ہے یا بدخواہشوں کو روک نہیں سکتا تو اُسے یقینی طور پر یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا ایمان بالکل ناقص اور شکوک میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کیسا ہی پکا ایماندار سمجھتا ہو۔ اس لئے اس سوال کا جواب کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں باستثناے ان لوگوں کے جنھوں نے خدا کی ہستی کو یقینی اور قطعی طور پر دیکھ لیا ہے یہی ہوگا۔ کہ ہم اپنی زبانوں سے ایمان لاتے ہیں لیکن دلوں سے نہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی ہستی کا اس طور پر مشاہدہ کرلیا ہے۔ سو وہ ہم نیچے ظاہر کرتے ہیں +

اگر یہ سوال اُٹھایا جاوے کہ آیا انسان کے لئے یہ ممکن بھی ہے کہ وہ ایسا یقینی اور قطعی ایمان حاصل کرسکے جو اُس کو گناہوں سے روک سکے تو اُس کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ بیشک یہ ممکن ہے کیونکہ یہ تو کسی صورت میں مانا نہیں جاسکتا کہ خدائے تعالےٰ کی یہ منشاء ہے کہ انسان اس کی ہستی کا قطعی اور یقینی طور پر کبھی پتہ لگا ہی نہ سکے البتہ ضروری سوال یہ ہے کہ ایسا ایمان کیونکر حاصل ہوسکتا ہے سو اس کا جواب بھی آسان ہے کہ اس کی حاصل کرنے کی وہی راہیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہیں۔ حضرت مسیح کے وقت کے یہودی اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں یہودی اور عیسائی بھی تو اپنے آپ کو ایماندار ہی ظاہر کرتے تھے جیساکہ آج کل لوگ اس بات کا کہدینا نہایت آسان سمجھتے ہیں کہ ہاں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کا ایمان اس زمانہ کی طرح مردہ ایمان ہوچکا تھا۔ اور اسی واسطے وہ طرح طرح کے فسق و فجور میں باوجود دعوے ایمان کے مبتلا تھے۔ جس فسق و فجور سے انبیاء نے اُنہیں باہر نکالا۔ جو راہ انبیاء نے اختیار کی تھی وہ یہی تھی کہ آسمانی نشانوں کے ذریعے سے خدائے تعالےٰ کی ہستی کا یقینی پتہ لوگوں کو دیں اور وہ خدا کی طرف سے ایسے نشان دکھاتے تھے جن سے ایک برتر اور مقتدر ہستی کا وجود روز روشن سے بھی زیادہ چمک اُٹھتا تھا۔ پس جب خدا پر ان لوگوں کو یقینی ایمان نصیب ہوگیا تو اُنہوں نے بھی ہر ایک قسم کی بدی چھوڑکر پاکیزگی کی راہوں کو اختیار کیا۔ لیکن مرور زمانہ سے ہر ایک نبی کے

بعد پھر ایک ایسا وقت آجاتا تھا۔ کہ وہ نشانات صرف بطور قصہ کہانی کے رہ جاتے اور اس لئے اصل غرض کو بھی پورا نہ کرسکتے تھے۔ اور پھر ایمانی حالتیں تنزل کی طرف رخ کرتیں۔ ایسے وقتوں میں اللہ تعالے اور نبی بھیج کر از سر نو آسمانی نشان دکھاتا رہا اور اس طرح پر دوبارہ ایمان کو دُنیا میں قائم کرتا رہا پس صرف آسمانی نشان جو ایک زندہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ صرف وہی ایک ایسی چیز ہیں جو ایمان کو دلوں کے اندر ایسی مضبوطی سے قائم کرسکتے ہیں جس ایمان کو حاصل کرکے انسان گناہوں سے رُک سکتا ہے اور اخیر پر طالبان حق کو ہم یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ ایسا ایک نشان خدا اللہ تعالے نے اس زمانے میں بھی مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ اُس کا قدیم سے وعدہ تھا۔ ہاں اس کے پیچھے لگ کر جو دنیا میں مسیح موعود ہوکر ظاہر ہوا ہے۔ ہم اس کامل اور یقینی ایمان کو پھر حاصل کرسکتے ہیں۔ جو ہمارے دلوں کو اللہ تعالے کی ہستی کے یقین کے ساتھ بھردے اسی کی پیروی سے اس وقت دنیا گناہوں سے نجات پاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے وجود کا پتہ دیتا ہے۔ پس ہمارا اخیری جواب اس سوال کا کہ آیا ہم ایمان رکھتے ہیں یہ ہے کہ ہم اسیوقت ایمان کا دعوے کرسکتے ہیں جبکہ ہم ان آسمانی نشانوں کو دیکھ کر جو اللہ تعالے نے اپنے مامور کی وساطت سے اس زمانہ میں ظاہر فرمائے ہیں۔ خدائے تعالے کی ہستی پر کامل یقین رکھتے ہوں۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہمارا ایمان ہمارے منہ کی ایک بات ہے جو محض لاف ہی لاف ہے اور جس کی اصلیت کچھ نہیں ہ

نوٹ اور رائیں

حضرت مسیح اور کرشن علیہما السلام

اس رسالہ میں کسی اور جگہ ہم ایک لیکچر درج کرتے ہیں جو کچھ دن ہوئے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بمقام سیالکوٹ دیا۔ اس لیکچر میں اُنھوں نے یہ اعلان کیا ہے۔ کہ میں نہ صرف مسیح موعود ہی ہوں بلکہ راجہ کرشن جی مہاراج کا بروز یعنے اوتار بھی ہوں۔ شائد ہمارے بعض ناظرین اس دعوے کو دیکھکر تعجب سے چونک پڑیں۔ لیکن اُنہیں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اور اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ جس طرح عیسائی اور مسلمان آخری زمانہ میں مسیح کے نزول کے قائل ہیں اسی طرح ہندو صاحبان بھی آخری زمانہ میں ایک اوتار کے منتظر ہیں جو نازل ہوکر ہندو مذہب کے اُن عیبوں اور غلطیوں کو دور کریگا جو اس میں داخل ہوگئی ہیں اور خوش قسمتی سے جیسے مسلمان اور

عیسائی صاحبوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مسیح موعود جس کی اُن کو انتظار لگی ہوئی ہے اُس
کے نزول کا یہی زمانہ ہے ویسے ہی ہندو صاحبان بھی اسی زمانہ کو اپنے موعود اوتار کے نزول اور
ظہور کا زمانہ قرار دیتے ہیں حضرت میرزا صاحب کا یہ دعوےٰ کہ میں موعود اوتار حضرت کرشن مہاراج علیہ السلام
کے رنگ و روپ میں آیا ہوں اگرچہ واضح الفاظ میں پبلک کے جلسہ میں اب کے ہی پیش کیا گیا ہے لیکن
جو لوگ اُن کی تصانیف کو غور اور تعمق کی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اُن پر یہ بات بہت عرصہ سے روشن
ہو چکی تھی۔ یہ دعوےٰ حضرت میرزا صاحب نے از خود نہیں کیا بلکہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اس عہدہ پر ممتاز فرما کر
اس کے اظہار کا حکم دیا۔ اس کے متعلق اُن کو ابتدائی زمانہ میں ہی الہام ہوا تھا جس کو اُنہوں نے
کتاب میں لکھکر شائع بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ الہام یہ ہے "**ہے کرشن رودر گوپال تیری
مہما گیتا میں لکھی گئی ہے**" یعنے اے کرشن بدیوں کے دور کرنیوالے اور نیکیوں کے قائم کرنے
والے تیری تعریف گیتا میں لکھی گئی ہے حضرت کرشن ع کے دو لقب جو اس الہام میں مذکور ہیں ان کا
ماحصل ٹھیک وہی ہے جو مسیح موعود کے دو اوصاف نذیر و بشیر میں موجود ہے کیونکہ نذیر سے مراد
وہ ہے جو بدکاروں کو ہلاکت اور تباہی سے متنبہ کرے اور بشیر سے مراد وہ ہے جو راستبازوں کو انجام کار
کامیابی اور شادمانی کی خوشخبری سنائے۔ بدنصیبی سے مسیح اور کرشن جی کی نسبت ایک ہی طرح کی
غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل رہی ہیں۔ دونوں کو اُن کے ماننے والوں نے خدا سمجھ رکھا ہے اور
اُن کے دشمنوں نے دونوں پر ہی سنگین تہمتیں لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اب ان دونوں بزرگوں کی
نسبت خدا تعالےٰ نے حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے۔ اور اُن کا بروز ایک ہی شخص مامور کیا ہے جس کو
اُن کے روحانی رنگ اور روپ میں نازل کیا ہے۔ جو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے۔
تین عظیم الشان قوموں کی امیدوں کا ایک ہی شخص کے ظہور میں پورا ہونا نہایت مبارک نشان
ہے کہ اب دنیا کی یہ تین قومیں یعنے ہندو مسلمان عیسائی باہم ملجاوینگے حقیقت میں یہ اعلان
اُس مقرر اور موعود گھڑی کے پہنچ جانیکی خوشخبری دیتا ہے جبکہ باہم جھگڑنے والے فرقے ایک ہی
سچے مذہب کو اختیار کرینگے۔ سر دست حضرت میرزا صاحب کے اس دعوےٰ کرنے سے کہ وہ نہ
صرف مسیح موعود ہی کے رنگ میں آئے ہیں بلکہ حضرت کرشن مہاراج کے بروز بھی ہیں یہ فائدہ
اب سے ہی شروع ہو گیا ہے کہ اُن کے لاکھوں مریدوں کے دلوں میں نبی ہند حضرت کرشن علیہ السلام
کی عظمت اور عزت اور صداقت بیٹھ گئی ہے۔ اور وہ اپنے ہندو بھائیوں کو پہلے کی نسبت زیادہ
محبت اور عزت اور شفقت کی نگہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں قوموں

کے اتفاق کا یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور جب ہندو صاحبان بھی عیسائی صاحبان کی طرح ایک عاجز انسان
کو خدا بنانے کے عقیدہ کی غلطی پر مطلع ہو جاوینگے تو وہ اسلام کے دروازے کے بہت قریب آجائینگے
اور خدا کی سچی اور کامل توحید کی معرفت حاصل کر لینگے۔ ہم خدا تعالےٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ کہ جلد وہ
زمانہ آوے کہ جب ہمارے ہندو بھائیوں کے دلوں پر سے پردے اُٹھ جائیں۔ اور اُن کو اپنی مذہبی
غلطیوں پر بصیرت اور معرفت حاصل ہو جائے۔ اور اُن کے سینے اُس سچائی کے قبول کرنے کے لئے
کُھل جاویں۔ جو دین اسلام تعلیم کرتا ہے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں۔ کہ آخری زمانہ میں ایک
اوتار کے ظہور کے متعلق جو وعدہ اُنہیں دیا گیا تھا وہ خدا کی طرف سے تھا۔ اور اُس کو
ہندوستان کے مقدس نبی **میرزا غلام احمد قادیانی** کے وجود میں خدا تعالےٰ نے پورا کر دکھایا ہے۔

عیسائی مذہب اس تعریف کا حقدار نہیں

اخبار بائبل ریکارڈ کی بنا پر اخبار پیٹریٹ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ایک نوٹ چھپا ہے جس کا عنوان
"عیسائیت کی حیات بخش طاقت" ہے عیسائی مذہب کی بلند کرنے والی طاقت کے ثبوت میں
چند امور کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ لارڈ سالسبری نے بیان کیا تھا کہ دُنیا دو
برابر حصوں میں منقسم ہے یعنے آدھی دُنیا تو زندہ اقوام کی ہے اور آدھی دُنیا مردہ اقوام کی ہے
زندہ اقوام میں صرف وہ لوگ داخل ہیں جو عیسائی مذہب کے معتقد ہیں۔ اور مردہ اقوام میں
وہ لوگ شامل ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے۔ یہ عیسائی مذہب کی حیات بخش طاقت کا ایک
ثبوت ہے۔ اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر لوکس نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ
نہ ہندو مذہب نہ بُدھ مذہب۔ نہ کانفیوشس کے مذہب۔ اور نہ اسلام میں بلکہ صرف عیسائی مذہب
میں حریت اور اعلےٰ تمدنی زندگی اور تہذیب اور ترقی کی کوششوں کے لئے دروازہ
کھلا ہے۔ جن کے ذریعہ سے دُنیا ترقی کر رہی ہے۔ پھر ایک اَور ثبوت اُنہوں نے یہ لکھا ہے
کہ ایک صاحب فلپس نامی نے لکھا ہے۔ کہ مڈغاسکر کے لوگوں نے عیسائی پادریوں کی طفیل
اس قدر ترقی کی ہے کہ پرانی بُت پرستی کی وحشیانہ حالت کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کی تہذیب
اختیار کر لی ہے۔ کیا کوئی ہے جو ایسے ثبوتوں کے موجود ہوتے ہوئے عیسائی کفارہ
کی تردید کر سکے؟ ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ان ثبوتوں کی ذیل میں کیوں زید بکر عمر اور اسی قسم کے
ہزاروں تنا خواتوں کی اس قسم کی لایعنی رائیں درج نہیں کر لی گئیں۔ اور تعجب کی تو یہ بات ہے کہ

صاحب مضمون کو یہ بات کسی طرح سے معلوم نہیں ہو سکی کہ جس تہذیب کا اب عیسائی یورپ کو فخر ہے وہ عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرنا ہی بھول گئے ہیں ہیں۔ کہ جن دنوں عیسائی مذہب کا یورپ پر پورا تسلط تھا وہ ایسا زمانہ تھا کہ یہ براعظم جہالت اور وحشت کے گڑھے میں گرا ہوا تھا۔ گو کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ اتفاقی معاملہ تھا۔ لیکن اُس کا تسلی بخش جواب ہونا ضروری ہے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی صاحبان اپنے مطلب کی بات یاد رکھتے ہیں۔ اور باقی بھول جاتے ہیں۔ بعض عیسائی بزرگوار جو مسٹر جانسن کے پیش کردہ گواہوں سے کم رتبہ کے عیسائی نہیں ہیں ہمیں یہ بات بتلاتے ہیں کہ مذہبی حیثیت سے اسلام کی حیات بخش طاقت عیسائی مذہب کی نسبت ہزارہا درجہ زیادہ ثابت ہو رہی ہے اور لوگوں کو وحشت اور جہالت کے گڑھے سے نکالنے اور اُن کو تہذیب کے معراج پر پہنچانے میں اس نے بڑے حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں جو عیسائی مذہب کو کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ یورپ نے جو ترقی حاصل کی ہے۔ وہ مادہ پرستی کے زمانہ میں حاصل کی ہے۔ اور یہ صریح ظلم ہے کہ مادہ پرستی کے زمانہ کی ترقیات کو عیسائی مذہب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور انکی عزت عیسائیت کے سر پر رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ترقیات عیسائیت کے زوال کے ساتھ شروع ہوئیں۔ اگر یہ عیسائیت جو یورپ میں رائج ہے اپنے اندر کوئی ذاتی طاقت مردہ قوموں کو زندگی بخشنے کی رکھتی تھی۔ تو اتنی صدیاں پہلے سے جو یہ مذہب موجود تھا تو اُس وقت اسکی ایسی طاقت کہاں چھپی ہوئی تھی؟ اور کیوں اسکی حیات بخش طاقت ہندوستان میں کوئی اثر نہیں دکھاتی۔ جہاں خود عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ عیسائیت کا اثر تنزل اور ہلاکت ہوا ہے۔ یہی ایک بات ہے جس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ یوروپ کی اصلی ترقی صرف اُس وقت سے شروع ہوئی جب عیسائی مذہب کا زوال اور مادہ پرستی کا عروج شروع ہوا۔ اور اب اس ترقی کے معراج پر عیسائی عقائد کی یہ حالت ہے کہ غیر دنکو تو کہا جاتا ہے۔ کہ انگلستان وغیرہ عیسائی ملک ہیں۔ لیکن انگریزوں اور عیسائیوں میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو عیسائی مذہب سے منکر ہیں۔ اور اسکے مسائل کو تمسخر میں اڑاتے ہیں +

روح انکو امام صادق علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری کے لئے ایک تازہ جوش سے پُر کردے اور مامور و مرسل من اللہ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی باتین (جو مشیت ایزدی سے نکلی ہین اور ضرور پوری ہو کر رہینگی-) پوری ہون- اور معاونین اپنی اس سعی فی سبیل اللہ کے صلہ مین حسنات و ثواب دارین کے مستحق بنین- اللہ کرے ایسا ہی ہو- آمین ثم آمین ٭

مینیجر میگزین

امداد مدرسہ تعلیم الاسلام

جمیع برادران احمدی کو توجہ دلائی جاتی ہے اور یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ماہواری چندہ مدرسہ جو حضرت نے سب احمدی برادران پر فرض کیا ہوا ہے اپنے اپنے شہر سے جمع کر کے ماہوار ارسال فرمایا کرین اور عطیہ یکمشت کے طور پر بھی کچھ ارسال فرماوین کیونکہ مدرسہ کی مالی حالت نازک ہو رہی ہے اور یہ روپیہ کسی خاص شخص یا حضرت صاحب کے نام نہین آنا چاہئیے بلکہ علیحدہ منی آرڈر بنام مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام... قادیان ارسال کرنا چاہئے- والسلام-

محمد صادق عفی اللہ عنہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ تعلیم الاسلام

"اعلان"

(۱) جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا سال روان کا زر چندہ قابل وصول ہو وہ جملہ رقوم واجب الوصول جلد تر بنام مینیجر صاحب میگزین بھیج کر بیباقی حساب فرماوین- ترسیل مطالبہ کیلئے جملہ باقیداران کے نام خاص طور پر کارڈ یاد دہانی بھیجے جا چکے ہین- عدم التفاتی یا عدم جواب کیصورت مین اگلا پرچہ وی پی ارسال ہوگا-

(۲) ہر قسم کی خط کتابت اور ترسیل جملہ رقوم متعلقہ میگزین کا معاملہ براہ راست بنام مینیجر صاحب میگزین ہونا چاہئے نہ کسی خاص شخص یا حضرت اقدس یا کسی دیگر یا مالک مطبع کے نام- کیونکہ اس طرح کرنے سے علاوہ طوالت و حرج کام کے حساب کے مغالطہ کا اندیشہ ہے اور حضرت اقدس کو بھی اس مین تکلیف ہوتی ہے-

(۳) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت مین شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بیجا تصور ہوگی- بغیر پتہ نمبر خریداری تلاش نام مین بڑی دقت پیش آتی ہے-

(۴) تاریخ اجرائے یعنے ابتدائے جنوری سنہ ۱۹۰۲ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء جملہ پرچہ جات میگزین اردو و انگریزی (باستثنائے انگریزی میگزین نمبر ۱ سال سنہ ۱۹۰۲ء) اسوقت دفتر ہذا مین فروخت کیلئے موجود ہین خواستگاران جلدی درخواستین بھیجین- بصورت توقف تیسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا- والسلام-

مینیجر میگزین

"ضروری استدعا"

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی پیٹنٹ یا غیر پیٹنٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کروانا چاہین اور اپنے مقامی اسٹیشن مین کسی انگریزی دوائی خانہ کے نہ ہونیکی باعث یا نہین کسی اور شہر سے منگواتے ہین وہ بجائے کسی اور جگہ لکھنے کے ادویات فراسٹبر میڈیکل ہال پشاور بازار قصہ خوانی سے منگوایئن یہ دکان ہمیر متعلق ہے نہین نقصان نہین اور دکان کا فایدہ اور ایک بھائی کی مدد ہے المشتہر خواجہ کمال الدین

ضیاء الاسلام پریس قادیان مین باہتمام حکیم فضلدین صاحب مالک مطبع طبع ہوا ۔